احمدی نوجوانوں کیلئے
ماہنامہ
خالد
ربوہ

فروری ۱۹۹۸ء

ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز
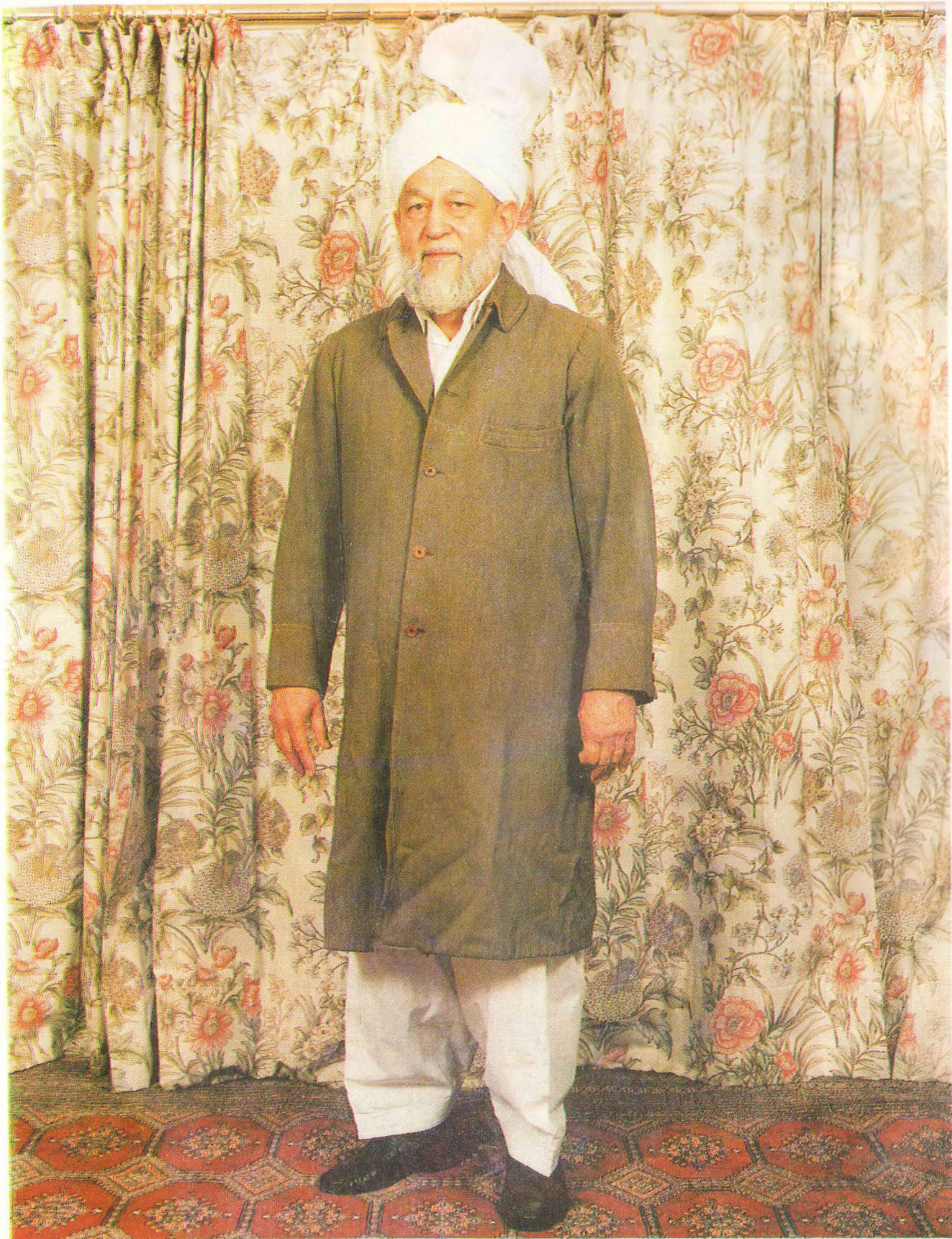
سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

(اس تصویر میں) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بابرکت کوٹ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے زیب تن فرمایا ہوا ہے

حضور ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا پاکیزہ کلام

وہ مِلے تو بس یہ کہوں کہ آ۔ مِرا مولیٰ تیرا بھلا کرے

مِرے دَرد کی جو دَوا کرے۔ کوئی ایسا شخص ہوا کرے
وہ جو بے پناہ اُداس ہو۔ مگر ہجر کا نہ گِلہ کرے

مِری چاہتیں مِری قُربتیں جسے یاد آئیں قدم قدم
تو وہ سب سے چھُپ کے لباسِ شب میں لپٹ کے آہ و بکا کرے

مُجھے اُس کا غم تو قرار کھو دے وہ میرے غم کے خیال سے
اُٹھیں ہاتھ اپنے لئے تو پھر بھی مِرے لئے ہی دُعا کرے

یہ قصص عجیب و غریب ہیں۔ یہ محبّتوں کے نصیب ہیں
مجھے کیسے خود سے جُدا کرے۔ اُسے کچھ بتاؤ کہ کیا کرے

کبھی طے کرے یُونہی سوچ سوچ میں وہ فِراق کے فاصلے
مِرے پیچھے آکے دبے دبے۔ مِری آنکھیں موند ہنسا کرے

بڑا شور ہے مِرے شہر میں کِسی اجنبی کے نزُول کا
وہ مِری ہی جان نہ ہو کہیں۔ کوئی کچھ تو جا کے پتہ کرے

یہ تو میرے دِل ہی کا عکس ہے۔ مَیں نہیں ہوں پر مِری آرزُو
کو جنون ہے مجھے یہ بنا دے تو پھر جو چاہے قضا کرے

بھلا کیسے اپنے ہی عکس کو مَیں رفیقِ جان بنا سکوں
کوئی اَور ہو تو بتا تو دے۔ کوئی ہے کہیں تو صدا کرے

اُسے ڈھونڈتی ہیں گلی گلی۔ مِری خلوتوں کی اُداسیاں
وہ مِلے تو بس یہ کہوں کہ آ۔ مِرا مولیٰ تیرا بھلا کرے

(از کلامِ طاہر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد 46 شمارہ 4

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ

خالد

ربوہ

تبلیغ 1377 ہش

فروری 1998ء

★★★★

ایڈیٹر:
سید مبشر احمد ایاز

فہرست مضامین

رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

قیمت۔/7 روپے ★ سالانہ۔/70 روپے

مینجر: مبارک احمد خالد

پبلشر: مبارک احمد خالد۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

ادارتی مقالہ

پیشگوئی مصلح موعود کا پس منظر اور اس کی اہمیت

پیشگوئی مصلح موعود کی اہمیت اور اس کے پس منظر کے متعلق سوانح فضل عمر جلد اول سے اقتباس ہدیہ قارئین ہے۔ واضح رہے کہ "سوانح فضل عمر" کی یہ جلد حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تصنیف فرمودہ ہے۔

....."دین حق کو سرخرو اور کامران دیکھنے کی یہ سخت بے قرار تمنا لئے ہوئے آپ (حضرت مسیح موعود علیہ اسلام) اپنے رب سے اس کی رحمت اور قربت کا نشان مانگنے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس غرض سے آپ نے ہوشیار پور کے قصبہ میں ایک مکان میں تنہا چالیس دن کیلئے گوشہ نشینی اختیار کی۔ چالیس دن شب و روز عبادت اور گریہ و زاری کرتے ہوئے آپ نے اپنے رب سے ایک ایسے باکمال فرزند کی ولادت کی التجا کی جو دین حق کی فضیلت اور کلام اللہ کا مرتبہ دنیا پر ظاہر کرنے کیلئے ہر ضروری صفت سے متصف ہو اور اسے دین حق کی کامیاب خدمت کی بھرپور توفیق عطا ہو۔

آپ نے چالیس روز کے بعد اس چلہ کے اختتام پر بذریعہ اشتہار یہ اعلان فرمایا کہ جو کچھ میں نے خدا سے مانگا تھا وہ اس نے اپنی بے پایاں رحمت اور کمال شفقت کے نتیجہ میں مجھے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور ایک ایسے متصف بہ صفات حسنہ ذی شان بیٹے کی ولادت باسعادت کی خوشخبری دی ہے جو اپنی غیر معمولی صفات اور عظیم الشان خدمت اسلام کے ذریعہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ آپ نے نشان کی طالب دنیا کو بتایا کہ :۔

"بالہام اللہ تعالیٰ واعلامہ عزوجل خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر چیز پر قادر ہے جل شانہ وعز اسمہ مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا:۔

"میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو بپایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ فتح و ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دین حق کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ

میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔ اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور پاک رسول محمد مصطفیٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا وہ لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے۔ اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحب شکوہ و عظمت و دولت ہو گا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمتہ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت اور غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا۔ (اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر، مظہر الحق و العلاء کان اللہ نزل من السماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اسے اپنی رضا مندی کے عطر سے ممسوح کیا ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ و کان امرا مقضیا"

اس پیشگوئی کے شائع ہونے پر ہندوستان کے مذہبی دنگل میں جو ہنگامہ برپا ہوا اس کی تفصیل ایک الگ کتاب کی متقاضی ہے اور اس موضوع پر متعدد رسالہ جات اور کتب شائع ہو چکی ہیں۔ اس جگہ ہم نہایت اختصار کے ساتھ محض پس منظر کو واضح کرنے کیلئے اس ملک گیر رد عمل کا خلاصہ درج کرتے ہیں جو اس پیشگوئی کے نتیجہ میں ظاہر ہوا۔

۱۔ بعض مخالفین جو نسبتاً زیادہ سنجیدہ تھے اس فکر میں مبتلا ہوئے کہ بیٹا تو اتفاقاً بھی ہو سکتا ہے لہٰذا یہ پیشگوئی اگر پوری بھی ہو جائے تو اسے کوئی خاص نشان قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۲۔ حضرت مرزا صاحب کی بڑی عمر اور کمزور صحت کو دیکھ کر اس وہم میں مبتلا ہو کر کہ چونکہ آپ نے نعوذ باللہ خدا پر بہتان باندھا ہے مخالفین یہ یقین کر بیٹھے کہ بیٹا تو الگ رہا بیٹی بھی نصیب نہ ہو گی اور نعوذ باللہ یہ نامراد اور بعد از پیشگوئی بے اولاد اس دنیا سے اٹھ جائیں گے۔

آیئے ہم اول الذکر فریق کے رد عمل کا تجزیہ کرتے ہیں کیا واقعی پچاس سال سے متجاوز عمر کا ایک انسان جس کی تمام زندگی ایک مقصد کے حصول میں صرف ہوئی ہو اور جس نے اپنی زندگی کے بیشتر ایام اور راتیں اس مقصد کی پیروی میں انتہائی جسمانی، ذہنی اور روحانی مشق کے ساتھ بسر کی ہوں۔ جس نے بالکمال اپنے مال اور جان اور وقت اور عزت اور جذبات کو اس مقصد کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھا دیا ہو۔ کیا وہ اپنے عزیز ترین مقصد کو محض موہوم تمنا کی نذر کر سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص جس کی اپنی زندگی ہر آن خطرے میں ہو اور جو چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں گھرا ہوا ہو۔ کیا ہندو اور کیا عیسائی، کیا سکھ، اور کیا دیگر مذاہب اس کے خون کے پیاسے ہیں حتی کے خود اپنے ہم مذہب اس خون کے پیاسے ہیں کسی دوسرے سے پیچھے نہ ہٹے

ہوں۔ غیر تو غیر خود اپنے آبائی گھروں میں بسنے والے اپنے ہی خاندان کے افراد اس مذہبی عداوت میں غیروں پر بازی لیجا رہے ہوں۔ کون ہے جو ان حالات میں ایک ایسی من گھڑت پیشگوئی کرنے کی جسارت کرے۔ جس کے پورا ہونے کا انحصار دوسرے اتفاقات کے علاوہ لازماً اس اتفاق پر بھی مبنی ہو کہ پیشین گو پیشگوئی کے بعد ایک معقول مدت تک زندہ بھی رہے گا۔ صرف یہ ہی نہیں اس کی رفیقہ حیات کی زندگی کی ضمانت بھی اس میں شامل ہو جب تک خدا تعالیٰ اس کی گود ایک موعود بیٹے سے ہری نہیں کر دیتا۔

ظاہر ہے کہ اگر صرف یہی اتفاقات پیش نظر ہوتے تو بھی کسی شخص کو اپنی صداقت یا کذب کا انحصار ان اتفاقات پر رکھنے کی جرات نہ ہوتی لیکن اتفاقات کا یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا پیشگوئی صرف ایک بیٹے کی پیدائش کی نہیں ایک عظیم الشان فرزند کی ولادت کی ہے جس کے آنے سے ایک روحانی انقلاب کی داغ بیل ڈالی جانے والی ہے۔ اس ضمن میں خود حضرت مرزا صاحب نے اپنے معترضین کو جو جواب دیا ہے وہ آپ کے اپنے الفاظ میں ہی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے آپ فرماتے ہیں۔

"اس جگہ آنکھیں کھول کر دیکھ لینا چاہئے کہ یہ صرف ایک پیشگوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے۔ اور در حقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صد ہا درجہ اعلیٰ و اولیٰ و اکمل و افضل و اتم ہے کیونکہ مردہ کے زندہ کرنے کی حقیقت یہی ہے کہ جناب الٰہی میں دعا کر کے ایک روح واپس منگوایا جائے۔ اور ایسا مردہ زندہ کرنا حضرت مسیح اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت بائبل میں لکھا گیا ہے جس کے ثبوت میں معترضین کو بہت سی کلام ہے اور پھر باوصف چند منٹ کے لئے زندہ رہتا تھا۔ اور پھر دوبارہ اپنے عزیزوں کو دوہرے ماتم میں ڈال کر اس جہاں سے رخصت ہو جاتا۔ جس کے دنیا میں آنے سے نہ دنیا کو کچھ فائدہ پہنچتا تھا نہ خود اس کو آرام ملتا تھا اور نہ اس کے عزیزوں کو کوئی سچی خوشی حاصل ہوتی تھی۔ سو اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا میں سے کوئی روح دنیا میں آئی تو در حقیقت اس کا آنا نہ آنا برابر تھا۔ اور بفرض محال اگر ایسی روح کئی سال جسم میں باقی بھی رہتی تو تب بھی ایک ناقص روح کی دنیا پرست یا رزیل کی جو احد من الناس ہے دنیا کو کیا فائدہ پہنچا سکتی تھی۔ مگر اس جگہ بفضلہ تعالیٰ و احسانہ و برکت آنحضرت خاتم الانبیاء ﷺ خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا کو قبول کر کے ایسی بابرکت روح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی۔ سو اگرچہ بظاہر یہ نشان احیائے موتی کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ نشان مردوں کو زندہ کرنے سے صد ہا درجے بہتر ہے۔ مردہ کی بھی روح ہی دعا سے واپس آتی ہے اور اس جگہ بھی دعا سے ایک روح ہی منگائی گئی ہے۔ مگر ان روحوں اور ان روحوں میں لاکھوں کوسوں کا فرق ہے" (جو لوگ مسلمانوں میں چھپے ہوئے مرتد ہیں وہ آنحضرت ﷺ کے معجزات کا ظہور دیکھ کر خوش نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کو بڑا رنج پہنچتا ہے۔ کہ ایسا کیوں ہوا") (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۷۳۔ ۷۴)

پس یہ امر خوب ذہن نشین رہے کہ ایک بیٹے کے ولادت کی پیشگوئی نہیں کی گئی ایک ایسے فرزند جلیل کی پیشگوئی کی گئی جو عمر پانے والا ہو گا۔ نہایت زکی اور فہیم ہو گا صاحب شکوہ و عظمت و دولت ہو گا قومیں اس سے برکتیں پائیں گی وہ علوم ظاہری و باطنی

سے پر کیا جائے گا۔ کلام اللہ یعنی قرآن کریم کا گہرا فہم اس کو عطا ہو گا اور اس خداداد فہم سے کام لیکر وہ قرآن کی ایسی عظیم الشان خدمت کی توفیق پائے گا کہ کلام الٰہی کا مرتبہ دنیا پر ظاہر ہو گا۔ وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا وہ عالم کباب ہو گا۔ یعنی اس کے دور حیات میں ایسی عالمگیر تباہیاں ہوں گی جو سب دنیا کو بھون کر رکھ دیں گی وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ کیا یہ تمام صفات اور ان کے علاوہ بہت سی خصوصیات جو اس موعود بیٹے کی بیان کی گئی ہیں۔ محض ایک کے بعد دوسرے رونما ہونے والے اتفاق پر آس لگا کر بیان کی جا سکتی ہے؟

وہ شخص جس کی اپنی زندگی خطرے میں ہو، جس کی اپنی شہرت اور اس کے سلسلہ کی بقاء دنیا کی نظر میں چند دن کا کھیل ہو۔ جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا رہا ہو کہ خدا پر افترا کرنے والا ہے اور اس جرم کی پاداش میں خدا کا قہری ہاتھ اسے آج یا کل اس طرح نیست و نابود کرنے والا ہے کہ صفحہ ہستی سے ہمیشہ کیلئے اس کا نشان مٹ جائے گا اگر وہ مرد صادق نہ ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ ان حالات میں وہ ایسے عظیم الشان اور بے نظیر، صاحب عظمت و شکوہ بیٹے کی ولادت کی پیشگوئی کرنے کی جرات کرتا جس کے پورا نہ ہونے کے ظاہری امکانات پورا ہونے کے امکانات سے ہزاروں گنا بڑھ کر تھے۔

اس حقیقت سے آنکھیں بند کرنا انصاف کا خون کرنا ہے کہ جس بیٹے کی ولادت کی خبر دی جا رہی ہے وہ ہزاروں میں سے ایک نہیں لاکھوں میں سے ایک نہیں کروڑوں اور اربوں میں سے ایک ہے۔ صرف یہی نہیں کہ مجموعی طور پر اس پیشگوئی کو پورا کرنا کسی بھی انسان کو قدرت نہیں۔ کون ایسا..... ہے جو سخت جرات اور بے باکی دکھاتے ہوئے اپنے اس دعویٰ کو خدا کی طرف منسوب کر سکتا ہے۔ کہ اسے ایک ایسا بیٹا عطا ہو گا جو کلام اللہ کا مرتبہ اور شرف تمام دنیا پر ظاہر کر دے گا۔ کون عیسائی ایسا ہے کہ جو یہ دعویٰ کر سکے کہ اس کے بیٹے کو بائبل کا ایسا علم ہو گا کہ تمام دنیا پر بائبل کی فضیلت ثابت کر دکھائے گا اور کون ہندو ہے جو ویدوں کے بارے میں اور کون سکھ ہے جو گرنتھ کے متعلق اپنے پیدا ہونے والے بیٹے کی طرف یہ خدمت منسوب کر سکے۔؟

بیٹے ایسے دعویٰ کے بعد پیدا ہوں بھی تو مر جاتے ہیں

اور اگر زندہ بھی رہیں تو سو طرح کی بیماریاں اور ناگہانی آفات ان کی راہ روکے کھڑی رہتی ہیں۔

ان سب آفات سے بچ بھی نکلیں تو وہ ذہنی قابلیتیں پیدا کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ جو علمی نشو نما کا موجب بنتی تھیں۔

ایسی قابلیتیں پیدا ہو بھی جائیں تو ان کے ضائع ہونے یا غلط راستوں پر بھٹک جانے کے خطرات، صحیح راستوں پر گامزن ہونے کے امکانات کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں

اور اگر وہ صحیح راستوں کی طرف چل بھی پڑیں تو کوئی نہیں جو ان کی دلچسپی کا رخ خاص سمت میں موڑ سکے۔ کوئی نہیں جو یہ تعین کر سکے کہ علم کی بے شمار شاخوں میں سے کون سی شاخ ان کو مرغوب ہو گی۔

اگر رجحان مذہبی بھی ہو تو کون ضمانت دے سکتا ہے کہ باپ کا مذہب ہی بیٹے کو مرغوب ہو گا

اگر حسن اتفاق سے ایسا ہو بھی جائے تو اس مذہب کی کتاب مقدس سے مالامال ہو جانا اور غیر مذاہب کی کتب پر اس کی فضیلت ثابت کرنے کی توفیق پا جانا یہ بھلا کس کس کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ بحث تو آگے آئے گی کہ کس حد تک حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

صاحب کو یہ توفیق نصیب ہوئی۔ یہاں ذکر صرف اتنا ہے کہ کون باپ اپنے بیٹے کے حق میں جو ابھی پیدا بھی نہ ہوا ہو یہ دعویٰ کرنے کی جرات کر سکتا ہے۔ اور اپنی سچائی کا دارومدار اس دعویٰ کے پورا ہونے پر رکھ سکتا ہے۔

پھر اگر یہ توفیق میسر آبھی جائے کہ اپنے مذہب کے مقدس صحیفہ کے اسرار و معارف پر اس قدر دسترس حاصل کر لے تو وہ ذرائع میسر آنے کی ضمانت کیا ہے جن سے کام لے کر اپنے خداداد انکشافات کو مختلف زبانوں کے تراجم میں ڈھال کر دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کا انتظام کر سکے۔

انتہائی ناسمجھی اور سخت تعصب سے کام لیے بغیر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی عظیم الشان پیشگوئی کرنا اور پھر اس کا پورا ہو جانا نعوذ باللہ ایک مفتری کا کام بھی ہو سکتا ہے اور اتفاقاً بھی یہ واقعہ ظہور پذیر ہو سکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی قربت اور محبت کا اس میں کوئی نشان نہیں۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو کیوں اس نوعیت کی پیشگوئی کسی مخالف نے عملاً کر کے نہ دکھادی؟ اس واقعہ کو تو ستاسی برس گذر چکے ہیں گویا ایک صدی تمام ہوا چاہتی ہے۔ (اب تو ایک سو بارہ برس ہو چکے۔ ناقل) کیا آج بھی کوئی ہے جو ایسا کرنے کی جرات کر سکے یا کل کوئی ہو گا؟ چیلنج کا یہ ابد تک پھیلا ہوا راستہ ہے' کون ہے جو اس پر قدم مارنے کی جرات کرے گا؟

اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ایسی پیشگوئی نہ کوئی کر سکتا تھا نہ کر سکے گا سوائے اس کے کہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی ابدی ذلت اور رسوائی کا سامان کرنا چاہئے۔ ہم یہ دعویٰ کسی اندھے عقیدے کی وجہ سے نہیں کر رہے بلکہ ہر منصف مزاج اسی شدت کے ساتھ اس دعویٰ کی تصدیق کرے گا اور اگر خدا تعالیٰ کا کوئی وجود ہے اور وہ ہمارے افعال پر نظر رکھتا ہے اور کارخانہ قدرت کے سیاہ و سفید میں اس کا کوئی عمل دخل ہے تو گو یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے پاگل پن میں یا از راہ افتراء کوئی ایسی بڑہانک دے۔ جس کا تعلق آئندہ تین چوتھائی صدی پر پھیلے ہوئے واقعات سے ہو۔ لیکن یہ بہرحال باور نہیں کیا جا سکتا کہ ایک زندہ اور فعال رب جو تمام قوانین قدرت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہو۔ وہ اس جھوٹے دعویدار کے منہ سے نکلی ہوئی ایک ایک بات کو پورا کر دکھائے اور اسے غیب کے ان ان گنت مخفی در مخفی اسباب پر غلبہ عطا کرے۔ جن پر ایک خاص شکل اور خاص ترتیب سے خاص وقتوں پر ہی مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کا انحصار ہوتا۔ انہی اشکال ضروریہ کی وجہ سے گذشتہ ایک صدی میں حضرت مرزا صاحب کے سوا کوئی اور شخص ایسا دعویٰ نہ کر سکا......

بلاشبہ تاریخ ابنائے عالم کسی دوسرے ابن آدم کی پیدائش سے قبل اسے ہنگامے کا منظر پیش نہیں کرتی اور اس کی کوئی نظیر مذہبی یا غیر مذہبی دنیا میں بھی نہیں ملتی کہ ایک بچہ جو ابھی پیدا بھی نہ ہو محل نزاع بن جائے اور اس کا امکانی وجود کروڑوں انسانوں کی بحث کا موضوع ہو جائے اور مختلف مذاہب کے ہزار ہار ہنما اس کی پیدائش سے قبل دل کی گہرائیوں سے یہ آرزو کریں کاش وہ پیدا ہی نہ ہو۔ اور اگر وہ پیدا بھی ہو جائے تو خدا کرے لولا لنگڑا یا مفلوج اور ہزار قسم کے عیوب سے دنیا میں آئے تاکہ ان کے جذبہ بغض و عناد کو تسکین ملے اور حاسدوں کے دلوں کو ٹھنڈک محسوس ہو پھر جس کے متعلق لاکھوں دلوں میں یہ تمنائیں مچلتی ہوں کہ اگر وہ صحت مند ہی پیدا ہو جائے تو کاش ایسا ہو کہ وہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہی پروان چڑھنے سے پہلے ہی مر جائے یا بہت سے وبال اس پر آپڑیں کہ کسی کام کے قابل نہ رہے یعنی زندہ رہے بھی تو اپنے چاہنے والوں کے دلوں کا ناسور بن کر زندہ رہے......"

(سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۵۰۔۵۷)

قارئین کرام! یہ ہے پیشگوئی مصلح موعود کا پس منظر اور اسکی اہمیت۔ چنانچہ خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا اور 12 جنوری 1889ء کو وہ عظیم فرزند پیدا ہوا جو کہ "مصلح موعود" تھا اور ہر ان خدائی وعدوں کو حرف حرف پورا ہوتا ہوا دیکھا گیا۔ وہ جلد جلد بڑھا' خدا کا نور تھا جو کہ بڑھتا چلا گیا۔ باون سال وہ خلافت احمدیت پر متمکن رہا۔ تفصیل میں جانا ممکن نہیں ہاں یہ پورے وثوق اور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ خدا کی ہر وہ بات ایک ایک لفظ اور حرف کے ساتھ پوری شان و شوکت کے ساتھ پوری ہوئی جو اس نے اپنے پیارے فرستادے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ بتائی تھی اور یوں دنیا کے لئے یہ امر ثابت ہوا کہ:۔

- "ایک زندہ خدا ہے۔ جو کہ ساری کائنات کا خالق اور اس کو پیدا کرنے والا ہے۔
- اور یہ کہ۔ اس زندہ خدا نے اس زمانے میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ سے کلام کیا۔ جیسا کہ اس ی نے اس کو مبعوث کیا۔
- اور یہ کہ۔ اس خدا کی تائید و نصرت مسلسل اور ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد اور آپکے خلفاء کے شامل حال تھی۔ ہے۔ اور رہے گی۔ انشاء اللہ وکان امرا مقضیا

"خوش ہو اور خوشی سے اچھلو"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "مصلح موعود" کی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"اے وے لوگو جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئیگی"

اس خوشی کا تعلق اس پیشگوئی کے ساتھ ہے جو مصلح موعود کے ظہور کے ساتھ پوری ہوئی اور 20 فروری کو جماعت احمدیہ اسی پیشگوئی کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اجلاسات کرتی ہے پس احباب جماعت اس یوم تشکر کی مناسبت سے جہاں اجلاسات کا انعقاد کریں وہاں "خوشی سے اچھلو" کو پورا کرتے ہوئے اپنے اپنے ہاں کھیلوں کا بھی انعقاد کریں اور اسی طرح اپنی روح اور جسم دونوں کو اس خوشی میں شامل کریں۔

قائدین مجالس خاص طور پر اس امر کا اہتمام کریں۔

شمع قرآن

قرآن حکمت سے پر ہے
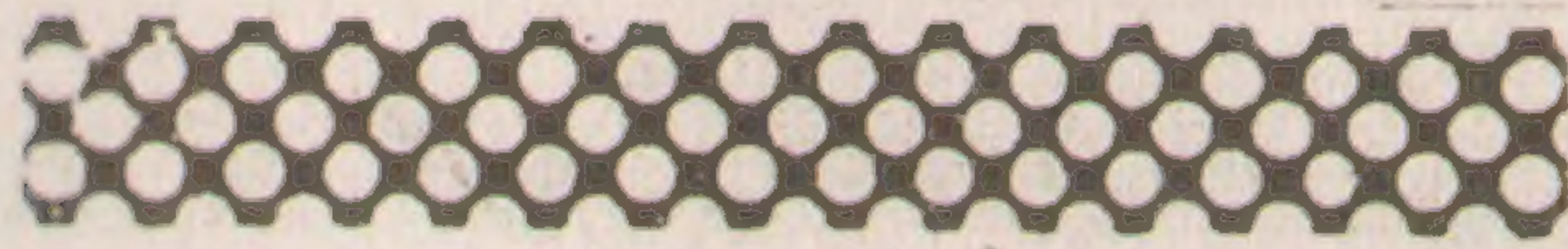
حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"میں نے قرآن کے لفظ میں غور کی تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی جب کہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ اس وقت (دین حق) کی عزت بچانے کیلئے اور بطلان کا استیصال کرنے کیلئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہو گی اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی۔ فرقان کے بھی یہی معنی ہیں یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی اور کوئی حدیث کی یا اور کوئی کتاب اس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی اس لئے اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب الٰہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کر دیں۔ بڑے تعجب کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتنا اور تدارس نہیں کیا جاتا جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔ اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۷ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۵)

"انسانی فطرت کا پورا اور کامل عکس صرف قرآن شریف ہی ہے۔ اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا جب بھی اس تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرتوں میں مرکوز اور قانون قدرت کے ہر صفحہ میں مشہود ہے۔"

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۴ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

عرفان حدیث 21 از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

اللہ کی شان

(از مکرم عبدالسمیع خان صاحب مہتمم تعلیم)

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُہٗ وَیُرْفَعُ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّہَارِ وَعَمَلُ النَّہَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُہُ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَہٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْہِہٖ مَا انْتَہٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب ان اللہ لاینام)

ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰ بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور نہ ہی اس کو زیبا ہے کہ وہ سوئے

۲۔ وہ ترازو کے پلڑوں کو جھکاتا بھی ہے اور اونچا بھی کرتا ہے۔

۳۔ اس کے پاس رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے پیش کئے جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے پہنچائے جاتے ہیں۔

۴۔ اس نے نور کا حجاب اوڑھ رکھا ہے۔

۵۔ اگر وہ پردہ اٹھادے تو اس کے چہرے کا جلال اس کی حد نظر تک ہر مخلوق کو جلا کر راکھ کر دے۔

تشریح:۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس حدیث کا وضاحتی ترجمہ اور اہم امور کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"عن ابی موسی قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخمس کلمات" پانچ باتوں کیلئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے یعنی پانچ باتیں بیان فرماتے ہوئے "فقال ان اللہ عزو جل لاینام ولا ینبغی لہ ان ینام" کہ یقیناً اللہ تعالیٰ صاحب عزت و جلال نہیں سوتا نہ ہی اسے زیبا ہے' نہ اس کی شان کے مطابق ہے کہ وہ سوئے "یخفض القسط ویرفعہ" وہ تکڑی کے پلڑوں کو نیچے بھی کرتا ہے اور اونچا بھی کرتا ہے۔ قسط معنی انصاف۔ تو مراد ہے تکڑی کے دو پلڑے ہوتے ہیں کوئی پلڑا نیچے ہو جاتا ہے کوئی اوپر چلا جاتا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں یہاں مراد ہے کہ اعمال کا وزن کرتا ہے وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کے اعمال ہلکے ہیں اور کس کے بھاری ہیں' کس کے قابل قدر ہیں کس کے رد کے لائق ہیں۔ "ویرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النھار" پیشتر اس کے کہ دن کے اعمال شروع ہوں رات کے اعمال کا حساب لے لیا جاتا ہے۔ یعنی یہ خیال بھی ایک پوری طرح معاملے کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے کہ صرف آخرت کے دن ہی حساب کتاب ہوگا۔ وہ حساب کتاب ہو چکا ہو گا صرف اس کے نتیجے ظاہر کئے جائیں گے۔ حساب کتاب تو روز روز ساتھ ساتھ ہو رہا ہوتا ہے۔ اسی حساب کتاب کے نتیجے میں ہماری روح یا جہنمی بن رہی ہوتی ہے یا جنتی بن رہی ہوتی

ہے۔ پس سریع الحساب کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ انتظار نہیں کرتا بہت لمبے عرصے کے حساب کا، کہ ساتھ ساتھ ایک حساب کا نظام جاری و ساری ہے اور انسان کی روح پر نیک اثرات بھی مترتب ہو رہے ہوتے ہیں، بد اثرات بھی مترتب ہو رہے ہوتے ہیں اور جو اس کا عمل ہے وہ اپنے نتیجے ساتھ ساتھ پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ پس وہ تکڑی کے دو تھال ہیں جن کے اوپر وزن رکھا جاتا ہے مراد یہ ہے کہ ان کو نیچا بھی کرتا ہے ان کو اونچا بھی کرتا ہے۔ ارادہ نہیں بلکہ فیصلہ فرماتا ہے ایسا کہ جن کے نتیجے میں بعض اعمال بے وزن دکھائی دینے لگتے ہیں اور بعض اعمال باوزن دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اور اس کی طرف رات میں جو بھی اعمال ہوئے ہیں ان سب کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے کہ یہ اعمال کس نوعیت کے تھے کیا ان کی حیثیت ہے ایسے کرنے والے سے کیا سلوک ہونا چاہئے۔ اور ساتھ ہی دن کے اٹھنے سے پہلے دن کے حسابات بھی سارے طے ہو چکے ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا "حجابه النور" اس کا حجاب نور ہے۔ یعنی لوگوں کے حجاب تو اپنے نور کو چھپانے کیلئے جیسے ہوتے ہیں ورنہ جو لوگ چھپنا چاہیں وہ اگر بغیر حجاب کے رہیں تو ننگے ہو جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نور کا حجاب اوڑھا ہوا ہے۔ عجیب مضمون ہے۔ لوگ نور چھپانے کیلئے حجاب استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نور کا حجاب اوڑھا ہوا ہے۔ اس کا حجاب ہی نور ہے۔ پس جدھر تم دیکھو گے خدا کا نور دکھائی دے گا اور یہ وہ مضمون ہے جو کائنات پر نظر ڈالنے میں ایک نیا رنگ پیدا کر دیتا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جدھر دیکھو اسی طرف خدا کا نور دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی وہ نظم کہ۔

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا
کیوں کہ کچھ کچھ تھا نشان اس میں جمال یار کا

یہ حجاب کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور پھر ساری نظم نور ہی کی نظم ہے اور سب حجاب کی باتیں ہیں مگر حجاب پر غور کرو تو وہ حجاب نور دکھائی دے رہا ہے حالانکہ ہے حجاب۔ پس اللہ کا حجاب ایک ایسا نور ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ہم خدا کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ نور ہوتا ہے اور خدا نہیں کیونکہ خدا اس نور کے پردے کے پیچھے ہے۔ پس ہر چیز جو نور دکھائی دیتی ہے وہ ایک پردہ ہے اور جو پردہ زیادہ لطیف ہو گا اتنا ہی زیادہ اس کے پرلی طرف خدا دکھائی دے گا۔ ان معنوں میں حضرت محمد ﷺ کا پردہ چونکہ سب سے زیادہ شفاف تھا اس لئے فرمایا گیا کہ وہ مثال ہے اللہ کے نور کی۔ اگر قریب تر کوئی چیز دیکھنی ہے تو اس پردے کو دیکھو اس میں سے خدا کے نور کی زیادہ جھلکیاں دکھائی دیں گی۔ ورنہ ہر دوسرا پردہ جو نسبتاً زیادہ کثیف ہے اتنی شان کے ساتھ اور سچائی کے ساتھ خدا کے نور کو ظاہر نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا نور کا حجاب خدا نے کیوں اوڑھا ہوا ہے۔ "لو کشفه لاحرقت سبحات وجهه ماانتهی الیه بصره من خلقه"

اگر خدا اپنے نور کا پردہ اٹھا دے تو اس کے چہرے کے جلوے اس کی سبحات. اس کی جھلکیاں ہیں وہ حد نظر تک ہر مخلوق کو مٹا کر جلا کر رکھ دیں. کوئی چیز اس کو دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتی اور ہر چیز جل کر خاک ہو جائے۔ اس لیئے یہ پردہ محض ایسے حجاب کے طور پر نہیں ہے کہ کوئی انسان اپنے عاشق سے چھپنا چاہتا ہے اور پوری طرح کھلے دل کے ساتھ اپنے محبوب کو نظارہ نہیں کروانا چاہتا۔ یہ اور معنے رکھتا۔ یہ یہ معنے رکھتا ہے کہ اے میرے عاشق میں تجھ سے اتنا پیار کرتا کہ تجھے ہلاک نہیں کرنا چاہتا تجھے اپنا اتنا ہی نظارہ دکھاؤں گا جتنا تجھے برداشت کرنے کی استطاعت ہے۔ اس سے اگر آگے دکھایا تو تجھ پر ظلم ہو گا دیکھنے والا ہی کوئی باقی نہیں رہے گا۔ پس حضرت موسیٰ سے جو طور پر سلوک ہوا تھا وہ اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ کنجوسی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ تو ہر ایک کو اپنا وجود دکھانا چاہتا ہے مگر اس نور یا اس کی ذات جو ہے وہ ایک ناقابل فہم جلوہ ہے ہمارے لئے جس تک ہمارے تصور کی بھی رسائی نہیں ہے۔ جس کا پردہ جگمگا اٹھے ایک یہ بھی معنی ہے "حجابه النور" کہ اس کا تو پردہ ہر جگہ جگمگا رہا ہے وہ خود کیا ہو گا۔ جدھر بھی نظر ڈالو وہاں اس کی روشنی دکھائی دیتی ہے لیکن نظر میں نور ہو تو دکھائی دیتی ہے اگر نظر میں نور ہو تو کائنات کے ذرے ذرے میں اتنا نور دکھائی دیتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔

کیا عجب تو نے ہر اک ذرہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

تو نے کیسے عجیب خواص ہر ذرے میں رکھ دیئے ہیں بھر ایٹم میں

بقیہ صفحہ 13 پر

تعارف کتب۔2

سبز اشتہار

(تحریر: سید مبشر احمد ایاز)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو جو پیشگوئی فرمائی تھی اس میں ایک پیشگوئی ایک ایسے فرزند کی بھی تھی جس کو لمبی عمر پا کر دین حق کی خدمت کی توفیق کا ملنا تھا۔

7 اگست 1887ء کو حضور کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔۔۔۔ بشیر احمد۔۔۔ جو کہ 4 نومبر 1888ء کو فوت ہو گیا۔ اس کا فوت ہونا تھا کہ مخالفین نے ایک شور بد تمیزی برپا کر دیا اور خود سے ہی اس کو "مصلح موعود" فرزند قرار دے کر یہ اعتراض کرنے شروع کر دیئے تھے کہ اس کے حق میں تو بے شمار خوشخبریاں تھیں اور یہ تو سولہ مہینے ہی زندہ رہ پایا...... وغیرہ وغیرہ۔

مخالفین کے ان اعتراضات کا جواب دینے کے لئے تا سادہ لوح اور سطحی علم والے لوگ ٹھوکر نہ کھاویں حضور نے ایک تقریر فرمائی۔ جو اس نام سے شائع ہوئی "حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر"۔ اس کے کل صفحات 22 ہیں۔

حضور کی تقریر خلاصہ پوائنٹس کی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

- روحانی خزائن کی جلد ۲ میں "سبز اشتہار" کے نام سے شامل ہے۔ واضح رہے کہ پہلی بار جب اس کی اشاعت ہوئی تو سبز ورقوں پر شائع ہونے کی وجہ سے اس کو "سبز اشتہار" بھی کہا جاتا ہے۔
- حضور نے فرمایا:۔ "کوئی شخص ایک ایسا حرف بھی پیش نہیں کر سکتا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ مصلح موعود اور عمر پانے والا یہی لڑکا تھا جو فوت ہو گیا ہے"۔ (صفحہ ۲)
- بلکہ اس کے برخلاف حضور نے اس پیدا ہونے والے لڑکے کی پیدائش سے قبل اور بعد میں جو تین اشتہار شائع فرمائے ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ ذکر نہیں کہ یہ وہی "مصلح موعود" ہے بلکہ حضور نے تو باقاعدہ صراحت فرمائی کہ "لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا جواب پیدا ہوا ہے یہ وہی لڑکا ہے یا کسی اور وقت میں نو برس کی عمر میں پیدا ہو گا"۔ (صفحہ ۳)
- شک کرنے والوں کے بارے میں حضور فرماتے ہیں:۔

"بشیر احمد کی وفات پر انہیں وساوس اور اوہام میں پڑنا انہیں کی بے سمجھی و نادانی ظاہر کرتا ہے ورنہ کوئی محل آویزش و نکتہ چینی نہیں ہے۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ ہم نے کوئی اشتہار نہیں دیا جس میں ہم نے قطع اور یقین ظاہر کیا ہو کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے اور اگر ہم اجتہادی طور پر اس کی ظاہری علامت سے کسی قدر اس خیال کی طرف جھک بھی گئے تھے مگر اسی وجہ سے اس خیال کے کھلے کھلے طور پر بذریعہ اشتہارات اشاعت نہیں کی گئی تھی کیونکہ ہنوز یہ امر اجتہادی ہے"۔ (صفحہ ۱۰)

حضور فرماتے ہیں کہ اجتہادی طور پر پیش کیا جانے والا خیال کبھی کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے یعنی عین اس طرح پورا نہیں ہوتا جس طرح بیان کیا جاتا ہے اور یہ اجتہادی غلطی کوئی نیا امر نہیں ہے بلکہ گزشتہ انبیاء کی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں اور اس غلطی سے اجتہاد کرنے والے کے مقام و مرتبہ یا الٰہی پیشگوئیوں کی شان و شوکت میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ چنانچہ فرمایا:۔

"یہ بھی نہیں سمجھنا چاہئے کہ کسی اجتہادی غلطی سے ربانی پیشگوئیوں کی شان و شوکت میں فرق آجاتا ہے یا وہ نوع انسانی کے لئے چنداں مفید نہیں۔ انہیں یا وہ دین اور دینداروں کے گروہ کو نقصان پہنچاتے ہیں کیونکہ اجتہادی غلطی اگر ہو بھی تو محض درمیانی اوقات میں بطور ابتلاء کے وارد ہوتی ہے اور پھر اس قدر سے سچائی کے نور ظہور پذیر ہوتے ہیں اور تائیدات الٰہی اپنے جلوے دکھاتے ہیں کہ گویا ایک دن چڑھ جاتا ہے اور مخاصمین کے بہت جھگڑے ان سے انفصال پا جاتے ہیں"۔ (صفحہ ۱۱)

پھر آپ اللہ تعالیٰ کے انزال رحمت اور روحانی برکت بخشنے کی دو عظیم الشان طریقوں کے بابت فرماتے ہیں کہ:۔

اول یہ کہ کوئی مصیبت اور غم و اندوہ نازل کر کے صبر کرنے والوں پر بخشش اور رحمت کے دروازے کھولیں۔

دوسرا طریقہ انزال رحمت ارسال مرسلین و نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفاء ہے..... سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔ پس اول اس نے قسم اول کے انزال رحمت کے لئے بشیر کو بھیجا تا بشر الصابرین کا سامان مومنوں کے لئے طیار کر کے اپنی بشریت کا مفہوم پورا کریں سو ہزاروں مومنوں کے لئے جو اس کی موت کے غم میں محض للہ شریک ہوئے بطور فرد کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کا شفیع ٹھہر گیا اور دوسری قسم رحمت کی جو ابھی ہم نے بیان کی ہے اس کی تکمیل کے لئے خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا اور خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا۔ جس کا نام محمود بھی ہے۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا یخلق اللہ مایشاء اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے کہ جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا اور اس کے بعد دوسرے بشیر کی نسبت ہے"۔ (حاشیہ صفحہ ۱۵ تا ۱۷)

اس مضمون کے آخر پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے کمال عزم اور توکل پر مشتمل یہ اقتباس یقیناً ازدیاد ایمان کا موجب ہوگا جس میں آپ فرماتے ہیں:۔

"بالآخر یہ بھی اس جگہ واضح رہے کہ ہمارا اپنے کام کے لئے تمام و کمال بھروسہ اپنے مولیٰ کریم پر ہے۔ اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ لوگ ہم سے اتفاق رکھتے ہیں یا نفاق اور ہمارے دعوہ کو قبول کرتے ہیں یا رد اور ہمیں تحسین کرتے ہیں یا نفرین بلکہ ہم سب سے اعراض کر کے اور غیر اللہ کو مردہ کی طرح سمجھ کر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں...."۔ (صفحہ نمبر ۱۸)

○ اس کتاب کے آخری صفحہ پر آپ نے اعلان بیعت شائع کیا ہے۔

بقیہ از صفحہ...... 10

ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز میں "کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا" کہ ایک ذرے پر بھی نظر ڈال کے دیکھو تو اس کے اندر ایک اسرار کا عالم ہے۔
کون ہے جو اس سارے اسرار پر محیط ہو سکے اور سب کا نظارہ کر سکے۔

اور یہ بات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی اس وقت تک ایٹم کی توانائی اور اس کے اسرار کی کوئی بات لوگ سنتے ہی نہیں تھے۔ ابھی یہ بات عام گفتگو میں داخل ہی نہیں ہوئی تھی۔ مگر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اللہ کے نور کو دیکھ رہے تھے اس لیئے آپ نے اس حقیقت کو جان لیا یعنی قرآن کے نور سے اور محمد ﷺ کے نور سے کہ خدا نے جو کچھ بھی پیدا کیا اس کا ذرہ ذرہ ایک نور ہے جو خدا کا حجاب ہے۔ اور حجاب کا نور ہونا میرے نزدیک یہی معنی رکھتا ہے جو اس کے پیچھے ہے کہ اس سے چمک رہا ہے اور کثیف سے کثیف بھی ہو تو جو اس کے پیچھے جلوہ گر ہے۔ اتنی شان کا جلوہ گر اس قوت کے ساتھ جلوہ گر کہ ہر حجاب اس کے چہرے کا نور بن گیا ہے۔ پس اس پہلو سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جب کائنات کا مطالعہ کرتے ہیں تو بے اختیار کہتے ہیں "کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا" اور یہی مضمون جو حضرت اقدس محمد ﷺ نے بیان فرمایا۔ "حجابہ النور" نور تو اس کے چہرے کا نقاب ہے "لو کشفہ" اگر وہ اپنا چہرہ دکھادے "لاحرقت سبحات وجھہ ماانتھی الیہ بصرہ من خلقہ" تو اس چہرے کا جلال اور اس کی چمک دمک، اس کا جلوہ تا حد نظر ہر مخلوق چیز کو جلا کر رکھ دے۔"

خطبہ جمعہ یکم دسمبر ۹۵
(مطبوعہ ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل ۱۹ جنوری ۹۶)

ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مکرم مرزا فضل احمد صاحب معاون صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۹۷ء کو پہلا فرزند عطا فرمایا ہے جس کا نام ازراہ شفقت حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مرزا ظفر نوشیروان احمد تجویز فرمایا ہے۔

نومولود محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ناظر دیوان صدر انجمن احمدیہ کا پوتا اور محترم صاحبزادہ مرزا ادریس احمد صاحب کا نواسہ ہے۔

احباب جماعت احمدیہ سے نومولود کی درازیٔ عمر، خادم دین اور والدین کے لئے قرۃ العین ہونے کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

ادارہ خالد ہر دو خاندانوں کو مبارکباد پیش کرتا ہے

(ادارہ)

بقیہ از صفحہ...... ۲۵

بہرحال خون کی اسی افادیت اور اہمیت کی بنا پر تمام مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں رضاکارانہ بنیادوں پر انسانی خون جمع کیا جاتا ہے۔ خون کی معمولی مقدار کے اخراج سے جسم کے فعل اور تندرستی پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ خون ایک زندہ انسانی جسم سے دو تین ماہ بعد ایک پنٹ سے زیادہ نہیں لیا جا سکتا۔ خون لیتے وقت دھیان رکھا جاتا ہے کہ جو شخص خون دے رہا ہے ملیریا یا کسی دوسرے مرض میں تو مبتلا نہیں ایسے افراد کا خون مریضوں کیلئے مضر ہوتا ہے۔

الفاظ پیشگوئی مصلح موعود

"...... اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا، وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت اور غیوری نے اسے اپنے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامیٔ ارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور ــــ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شُہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔"

(از اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

غور سے سنو

اپنی عاقبت کی بہتری کیلئے سنو!!

"اس سلسلہ کی تائید کیلئے خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اتریں گے اور روز بروز یہ سلسلہ پھیلتا جائے گا اور رسول کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ پیغام ان ممالک تک جو آپ پر یقین نہیں رکھتے ضرور پہنچے گا اور جس طرح پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں اور پھر ان سے نہریں نکلتی ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی نہریں میرے ذریعہ ساری دنیا میں جاری ہوں گی۔ (دین حق) دنیا میں جیتے گا اور ضرور جیت کر رہے گا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ان لوگوں کے دشمن ہیں جو ابھی تک ایمان نہیں لائے۔ ہم ان کے حقیقی خیر خواہ ہیں اور ان کی خیر خواہی سے مجبور ہو کر ہی ان کو سمجھاتے ہیں۔ جس طرح ایک ماں جب دیکھتی ہے کہ اس کا بچہ کنوئیں میں گرنے لگا ہے تو وہ پوری کوشش کر کے اس کو بچاتی ہے اسی طرح ہم ان لوگوں کو ہلاکت سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ہم (دین حق) کو سچا سمجھتے ہیں تو پھر ہم یہ بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سچائی کو دنیا میں پھیلائیں۔ ہمارے مخالف اگر ایمان نہ بھی لائیں تو بھی ان کو چاہئے کہ ہماری خیر خواہی کے قائل ہوں اور اس بات کو مانیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں ان کی ہمدردی کیلئے کہتے ہیں اور کہتے چلے جائیں گے چاہے وہ ہم کو کتنے دکھ کیوں نہ دیں، کتنی تکلیف کیوں نہ پہنچائیں، خواہ وہ ہمیں آروں سے چیر دیں، خواہ شیروں کے آگے ڈالیں، پتھروں سے سنگسار کریں، پہاڑوں سے گرا کر ہلاک کریں، سمندر میں پھینک دیں، ہم خدا کا نام لے کر کھڑے ہوئے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے رہ نہیں سکتے۔ جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم یہ آواز بلند کرتے چلے جائیں گے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہ تعلیم ضرور پھیل کر رہے گی اور زبردست سے زبردست قومیں بھی ہمارے رستہ میں اگر کھڑی ہوں گی تو وہ ناکام ہوں گی۔ بے شک ہمارے جسموں کو وہ مٹا سکتی ہیں مگر ہماری روحیں بلند ہوں گی اور یہ پیغام بند نہ ہوگا۔ پس بہتری اسی میں ہے کہ ہماری آواز کو سنو۔ اپنی عاقبت کی بہتری کیلئے سنو! اور اس آواز کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلند ہو رہی ہے غور سے سنو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔"

(اہل لدھیانہ سے خطاب بحوالہ الفضل ۱۸ فروری ۱۹۵۹ء)

مشعل راہ

ہمارے نوجوانوں کو زندگیاں سدھارنے کی کوشش کرنی چاہئے

حضرت المصلح الموعود نے ۲۹ مئی ۱۹۴۶ء کو بعد از نماز مغرب احمدی نوجوانوں سے اپنی توقعات کے بارے میں فرمایا!

"...... میں دوسرے نوجوانوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ ان کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہئے اور خدمت (دین حق) کیلئے اپنے آپ کو پیش کرنا چاہئے......... اگر ہمارے نوجوان اچھی محنت کریں اور کوشش کر کے اعلیٰ قابلیتیں پیدا کریں تو ہم تھوڑے ہو کر بھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ پس ہماری کامیابی ہمارے طالب علموں کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے نوجوان اگر اعلیٰ قابلیتیں پیدا کر لیں تو دنیا کے اعداد و شمار ہمارے راستے میں روک نہیں بن سکتے۔ کیونکہ جب لوگ دیکھیں گے کہ دنیا کا سب سے بڑا سائنسدان بھی احمدی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا محقق بھی احمدی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا مولوی بھی احمدی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا انجنیئر بھی احمدی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا ڈاکٹر بھی احمدی ہے...... تو وہ احمدیت کی طرف توجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر احمدی کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ چوٹی کا آدمی بنے۔ فارسی کا مقولہ ہے "کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی" اگر ہمارے نوجوان ہر فن میں کمال پیدا کریں تو ترقی کرنا بہت آسان ہو جائے۔ جب کوئی قوم قابلیت اور لیاقت میں بڑھ جاتی ہے تو اس کے ہر فرد کی قیمت و وقدر بھی بڑھ جاتی ہے اور اس کی بات توجہ سے سنی جاتی ہے۔ پس ہمارے نوجوانوں کو زندگیاں سدھارنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اپنی نگاہوں کو اونچا کرنا چاہئے اور یہ عزم کر لینا چاہئے کہ میں نے فلاں فن میں چوٹی کا آدمی بننا ہے یا اسی کوشش میں فنا ہو جانا ہے۔" (الفضل مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۶۰ء)
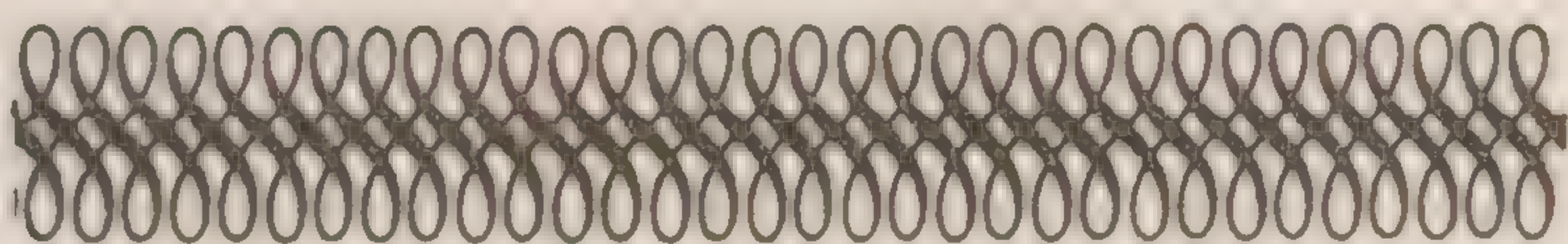
ہومیو پیتھی ایک تعارف

(مکرم وقار منظور بسراء صاحب)

ہومیو پیتھی کے تعارف کے حوالے سے ہومیو پیتھی دریافت کرنے والی شخصیت کا تعارف بہت ضروری ہے۔

سیموئیل کرسچن ہانمن

۱۰ اپریل ۱۷۵۵ء میں یعنی آج سے تقریباً اڑھائی سو سال پہلے جرمنی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک فیکٹری میں چینی کے برتنوں پر نقش و نگار بنا کر اپنا گزارہ کیا کرتے تھے۔ ہانمن جب چند جماعتیں سکول میں پڑھ چکے تو ان کے والد نے تعلیم کا خرچہ برداشت سے باہر ہونے کے سبب انہیں سکول سے ہٹا کر اپنے ساتھ کام پر لگانا چاہا لیکن ہانمن کے اساتذہ نے ان کے والد پر زور دیا کہ وہ اپنے ذہین بیٹے کو تعلیم جاری رکھنے دیں اور یہ کہ تعلیم پر اٹھنے والے اخراجات کے بندوبست کے سلسلے میں وہ بھی مدد کریں گے۔ اس زمانہ میں عیسائی دنیا میں لاطینی یونانی زبانیں وغیرہ سیکھنے کا بہت رجحان تھا۔ ہانمن نے بھی کم عمری میں کئی زبانیں سیکھ لیں۔ انہی زبانوں کی ٹیوشن پڑھا کر وہ اپنی پڑھائی کے اخراجات اٹھاتے رہے پھر لپ زگ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا جہاں سے انہوں نے ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری حاصل کر لی۔ اور ایک قصبہ میں پریکٹس شروع کر دی۔ اس دوران کئی زخمی فوجیوں کے علاج کا انہیں موقع ملا جو انہوں نے روایتی طریق سے ہٹ کر منفرد انداز میں کیا۔ وہ یہ کہ انہوں نے زخمیوں کو صرف الکحل سے دھویا اور پٹی تبدیل کرتے رہے اور ان کے مشاہدہ میں یہ بات آئی کہ مریض بغیر کسی دوا کے اپنی قدرتی قوت مدافعت کے ذریعہ سے مکمل طور پر شفایاب ہو گئے۔ اپنے اس مشاہدہ کو انہوں نے ایک کتابچہ کی شکل میں چھپوا بھی دیا۔ یہ گویا مروجہ علاج کے خلاف ان کی پہلی بغاوت تھی۔ اپنی آئندہ پریکٹس میں انہوں نے یہ مزید مشاہدہ کیا کہ ان کے دور کے علاج کے طریق مرض دبا کر مریض کے لئے مزید مشکلات کا باعث بنتے ہیں جب انہیں اپنے اس مشاہدہ پر یقین ہو گیا تو انہوں نے اپنی کامیاب پریکٹس فوراً چھوڑ دی اور اتنی مشکلوں سے حاصل کردہ ڈاکٹری کی تعلیم اور اپنے کنبہ کی کفالت کے ذریعہ کے مقابلہ پر اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا اور باقاعدہ یہ اعلان کیا کہ انسانوں کو مزید دکھ دینے کی بجائے بہتر ہے کہ میں اپنی میڈیکل پریکٹس ترک کر دوں۔

اب وہ نہایت کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرنے لگے زیادہ تر گذر بسر طب کی کتابوں کے تراجم کرنے سے ہوتی۔ اب خدا تعالیٰ نے ان کی انسانی ہمدردی کی بنا پر اس قربانی پر انہیں اس طرح نوازا کہ ۱۷۹۰ء میں وہ سکاٹ لینڈ کے ایک مشہور ڈاکٹر ولیم کلن (William Cullin) کی انگریزی میں لکھی ہوئی ایک کتاب کا ترجمہ کر رہے تھے کہ انہوں نے ایک جگہ یہ پڑھا کہ کونین بنانے کی ایک فیکٹری میں مزدوروں پر ملیریا بخار کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یعنی پہلے کچھ دیر یک دم کپکپی اور پھر بخار چڑھ جاتا ہے جب کہ فیکٹری کے ارد گرد کوئی ملیریا کی وبا نہیں۔ ہانمن کے تحقیقی ذہن نے اس عجیب بات پر غور کرنا شروع کر دیا انہوں نے نتیجہ نکالا کہ اپنے آپ پر اس کا تجربہ کرنا چاہئے۔ انہوں نے نہایت تھوڑی سی کونین یعنی چائنا (China) لی اور کھالی یہ عمل کئی بار دہرانے سے ان پر بھی ملیریا کی سی کیفیت شروع ہو گئی پہلے کپکپی پھر کچھ دیر تیز بخار جو بغیر کسی دوا کے ختم ہو گیا۔ پھر وہ جب بھی چائنا کھاتے ملیریا کی سی کیفیت شروع ہو جاتی اب یہ ایک بڑی عجیب بات تھی کہ کونین جو ملیریا کیلئے مشہور

دوا ہے وہ تھوڑی مقدار میں بار بار لینے سے ملیریا ہی کی کیفیت پیدا کر سکتی ہے اس تجربہ سے ہومیو پیتھی میٹیریا میڈیکا کی بنیاد پڑی۔

اب انہوں نے سو کے قریب مزید ادویات نہایت قلیل مقدار میں بار بار لے کر اپنے پر اپنے خاندان کے افراد پر اور دوستوں پر آزمانی شروع کر دیں اور یہ حیرت انگیز بات سامنے آئی کہ نہایت قلیل مقدار میں بالکل تندرست صحت مند آدمی کو بار بار یہ دوائیں دینے سے ایک خاص طرح کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس سے قبل ایسی ادویات کا استعمال زیادہ مقدار میں ہوتا تھا اور وہ بھی بیماروں پر اثرات دیکھنے کے لیے۔ یہ ہومیو پیتھی دواؤں کی منفرد بات ہے کہ تندرست اور صحت مند آدمی پر آزمائی جاتی ہیں۔

اب دوسرا مرحلہ آتا ہے ہانمن نے اپنی قلیل مقدار والی دواؤں کو ایسے حقیقی مریضوں پر استعمال کرنا شروع کیا جن میں دواؤں سے مماثلت رکھنے والی علامات موجود تھیں اور یہ حیرت انگیز بات سامنے آئی کہ گو دوا لینے کے بعد کچھ دیر کے لئے مریض کی طبیعت مزید بگڑ جاتی ہے لیکن پھر اسے مکمل آرام آ جاتا ہے جس میں کوئی مضر اثرات بھی نہیں ہوتے اب ہانمن کے ان تجربات کا چھپنا تھا کہ ان کے خلاف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اس زمانہ میں جرمنی کی حکومت کا یہ قانون تھا کہ ڈاکٹر کے نسخہ پر ادویات بنانے والے دکاندار حکومت سے لائسنس حاصل کرتے تھے اب ان کا کاروبار ہانمن کی نئی دواؤں کی وجہ سے خطرے میں پڑ گیا اور انہوں نے متحد ہو کر ہومیو پیتھی کے خلاف محاذ کھڑا کر لیا اور ہانمن کو ناکام کرنے کے لئے پورا زور لگا دیا۔ نتیجہ ہانمن کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا اور وہ ایک لمبا عرصہ در بدر پھرتے رہے اس دوران انہوں نے اپنی ۳ مشہور کتابیں لکھیں۔

(1) آرگینن آف میڈیسن

جو ہومیو پیتھی کی بنیادی کتاب تسلیم کی جاتی ہے اور اس میں ہومیو پیتھی کے تعارف کے ساتھ ساتھ اس کے تمام قوانین تفصیل سے درج ہیں۔

(2) میٹریا میڈیکا پیورا

یعنی ہومیو پیتھی دواؤں کے خواص۔ پیورا اس کا نام اس لئے رکھا گیا کہ اس میں صرف دواؤں کے وہ اثرات درج تھے جو تندرست آدمیوں میں مشاہدہ کیے گئے نہ کہ مریضوں پر

(3) کرانک ڈیزیز

یعنی مزمن امراض اس تیسری معرکۃ الاراء تصنیف میں ہانمن نے یہ عظیم انکشاف کیے کہ تمام انسانی امراض دراصل ۳ گہری بیماریوں کی وجہ سے ہوتی ہیں یعنی سورا (Psora)، آتشک (Syphilis) اور سوزاک (Sycosis)

اور یہ کہ ہم علاج کے مختلف طریقوں سے انہیں دبا تو سکتے ہیں یا ان کی شکل تو بدل سکتے ہیں لیکن یہ مکمل طور پر مریض کا پیچھا صرف ہومیو پیتھی یعنی علاج بالمثل سے ہی چھوڑتی ہیں۔ وگرنہ وقفوں سے بار بار ساری زندگی مریض پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں۔ ان کتب کی تصنیف تک ہانمن کے بہت سے شاگرد پیدا ہو چکے تھے اور گو ہومیو پیتھی جرمنی کی سرحدیں پھلانگ کر دوسرے ممالک تک پہنچ چکی تھی لیکن صحیح معنوں میں آزادانہ طور پر ہانمن نے ہومیو پیتھی کی پریکٹس اور اشاعت 1835ء میں شروع کی جب وہ دوسری شادی کے بعد مستقلاً جرمنی سے فرانس منتقل ہو گئے۔ اور یاد رہے یہی سال حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ولادت کا مبارک سال ہے اور اسی سال ہی میں ہومیو پیتھک فلسفہ کی اہم ترین کتاب Chronic Diseases کا پہلی مرتبہ انگریزی ترجمہ دنیا نے دیکھا۔ فرانس میں قیام کے دوران ہانمن کو بہت عزت شہرت اور زندگی کی دیگر آسائشیں نصیب ہوئیں اور آخر کار ۱۸۴۳ء میں اس جہان فانی سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ "میں نے اپنی زندگی ضائع نہیں کی"۔

یہاں یہ ایک ایمان افروز حقیقت بتاتا چلوں کہ ہومیو پیتھی کو اپنے تمام شعبوں میں انتہائی عروج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

زندگی میں ہی نصیب ہو گیا تھا اور تمام بنیادی کام مکمل ہو چکا تھا۔ مثلاً ڈاکٹر ایلن کا بارہ جلدوں کا انسائیکلوپیڈیا ۱۸۷۴ء میں تصنیف ہوا جو کہ ہومیوپیتھی کا سب سے بڑا ریفرنس ورک ہے۔

Herring کا دس جلدوں پر مشتمل چوٹی کا میٹریا میڈیکا 1879 میں لکھا گیا۔ (کینٹ کے لیکچرز زیادہ تر اسی پر بنا کر کے دیئے گئے۔)

◉ Hughes کا انسائیکلوپیڈیا 1886ء میں چھپا۔

◉ دل کی تکالیف پر چوٹی کی کتاب Diseases of Heart ڈاکٹر ہیل Hale نے 1875ء میں تصنیف کی۔

◉ ہومیوپیتھی میں بچوں کی امراض پر مستند ترین کتاب جرمن ڈاکٹر (C.G.Rave) نے Diseases of Children کے نام سے 1906ء میں لکھی۔

◉ عورتوں کی امراض پر بھی ہومیوپیتھی میں مستند ترین کتاب ڈاکٹر ہنری Henry Guernsey نے اسی دور میں لکھی۔

◉ پیٹ کی تکالیف پر معتبر ترین ہومیوپیتھی کتاب James Bell نے 1869ء میں تحریر کی۔

◉ مختلف قسم کے بخاروں پر جامع اور مستند ترین کتاب Therauptics of Fever ڈاکٹر ایچ۔ سی' ایلن (H. C. Allen) نے 1879ء میں لکھی۔

◉ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا پسندیدہ ترین' شہرہ آفاق مٹیریا میڈیکا ڈاکٹر کینٹ (James Tyler Kent) نے 1904 میں تصنیف کیا جس کے اقوال آج بھی سچ ثابت ہو رہے ہیں۔

غرض ان چوٹی کے ہومیو پیتھس نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیات کے دوران انتشار نور سے فائدہ اٹھایا۔

پچھلی صدی میں ہومیوپیتھی پر ہونے والے کاموں اور موجودہ صدی میں ہونے والے کام میں ایک مماثلت یہ بھی ہے کہ گزشتہ صدی میں ہونے والا تمام کام عیسائیوں کے ایک فرقہ "سویڈن بورجینز" (Swedenborgians) نے کیا۔ تمام بڑے ہومیوپیتھ ہیرنگ' کینٹ وغیرہ اور مشہور ہومیوپیتھک دوا ساز ادارہ بورک اینڈ ٹافل اور ہومیوپیتھک کتب چھاپنے والا ادارہ تمام سویڈن بورجینز تھے۔ عیسائیوں کا یہ فرقہ روحانیت کی طرف بہت زیادہ رجحان رکھتا تھا اور اس دور میں بھی الہام کا قائل تھا۔ اس لئے انہیں ہومیوپیتھک فلسفہ سمجھنے میں زیادہ وقت پیش نہ آئی کہ ہومیوپیتھی دواؤں میں اصل مادہ بظاہر ختم ہو جانے کے باوجود اثر باقی رہتا ہے۔ جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بنی نوع انسان کے فائدہ کیلئے ایک کتاب تصنیف کی اور دواؤں کے بکس بنوا کر دنیا میں پھیلائے اس سے ملتی جلتی کوشش گزشتہ صدی میں اس عیسائی فرقہ نے بھی کی۔ موجودہ صدی میں خدا تعالیٰ کی روحانی جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہومیوپیتھی جو ایک طرح کا روحانی علاج ہے کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں۔

ہانمن کی وفات کے بعد امریکہ ہومیوپیتھی کا مرکز بن گیا۔ ہومیوپیتھی پر مندرجہ بالا فہرست کی تمام تصانیف انہی ڈاکٹروں نے کیں جو اس سے قبل امریکہ کے ذہین ترین ایلوپیتھ ڈاکٹر تھے۔ یہاں یہ امر بھی بیان کرتا چلوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد کے عرصہ میں ہومیوپیتھی پر زوال آنا شروع ہوتا ہے اور پھر وہ وقت آیا کہ پورے امریکہ میں ایک بھی ہومیوپیتھی کالج یا ہسپتال نہ رہا اور اب گزشتہ دس بارہ سالوں سے ہومیوپیتھی کی ایک انقلابی رو چلی ہے۔ جس طرح موجودہ امام جماعت احمدیہ ہومیوپیتھی کی طرف متوجہ ہیں اس سے یہی لگتا ہے کہ ہومیوپیتھی کی آئندہ ترقیات اب جماعت احمدیہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ایک ایمان افروز بات بتاتا چلوں کہ بانی ہومیوپیتھی ہانمن کی بنیادی تصنیف (Organon of Medicine) آرگینن آف میڈیسن کے آخری ایڈیشن کا مکمل انگریزی ترجمہ تصنیف کے قریباً ڈیڑھ سو سال بعد پہلی مرتبہ 1982ء میں چھپا اور یہ وہی سن ہے جس میں ہمارے پیارے موجودہ امام مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ یہ تمام حقائق اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ مشیت ایزدی یہ چاہتی ہے کہ جس طرح جماعت احمدیہ روحانی بیماروں کو شفا پہنچاتی ہے جسمانی مریضوں میں بھی زندگی کی لہر دوڑا دے۔

آخر میں خاکسار احمدی ہومیو پیتھس کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے کہ وہ تمام شعبے جن کی طرف خلیفہ وقت نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ احمدی ہومیوپیتھ ان میں تحقیق کریں۔ وہ ابھی تک آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر میدان میں کامیابیاں نصیب فرمائے۔ آمین

کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

(از محترم میر اللہ بخش صاحب تسنیم)

مناد ایک حق کا مدت کے بعد آیا ابر کرم ہے تازہ دنیا پہ ایک چھایا
پیغام زندگی کا پھر اک رسول آیا مولا کریم کی یہ سب مہربانیاں ہیں
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

...... کا عزیزو پرچم نہ جھکنے پائے پروا نہیں ہے کوئی جاتی ہے جان جائے
مذہب کی آبرو پہ ہرگز نہ حرف آئے ہر سو مخالفوں کی ریشہ دوانیاں ہیں
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

دنیا میں ہم نے کیا کیا اعجاز ہیں دکھائے اندھوں کو دی ہیں آنکھیں مردے کئی جلائے
صحرا میں ہم نے تازہ گل پھول ہیں کھلائے ظلمت کی وادیوں میں کی ضوفشانیاں ہیں
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

مغرب کی محفلوں میں ہے ذکر عام اپنا مشرق کی وادیوں میں گونجا ہے نام اپنا
ہر خاص و عام کرتا ہے احترام اپنا سارے جہاں کے لب پر اپنی کہانیاں ہیں
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

تاریکیوں میں شمعیں ...... کی جلاؤ حق کا پیام لے کر دنیا میں پھیل جاؤ
ہمت سے کام لو تم کچھ کام کر دکھاؤ کیا فائدہ جو خالی رنگیں بیانیاں ہیں
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

پلہ جہاں میں بھاری تقویٰ کا ہی رہا ہے مٹی ہو جس سے سونا تقویٰ وہ کیمیا ہے
اخلاق سے ہے عاری دنیا کے پاس کیا ہے یا بد زبانیاں ہیں یا جانستانیاں ہیں
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

نوٹ:۔ خالی جگہ پر لفظ (دین حق) پڑھا جائے اس تکلیف اور مجبوراً لفظ خالی رکھنے پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔)

عفوو درگذر

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (النور۔ ۲۳)

ترجمہ:۔ اور تم میں سے فضیلت رکھنے والے اور کشائش رکھنے والے لوگ قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کریں گے اور چاہئے کہ عفو سے کام لیں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کے اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور اللہ بہت معاف کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

عفو کا معنی ہے "مٹا دینا" اور عام استعمال میں یہ لفظ کسی کی غلطی، زیادتی یا ظلم وغیرہ کے مقابل سزا نہ دینے یا انتقام نہ لینے کیلئے بولا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس معنی میں کہ دل سے اس کے خلاف ہر قسم کا رنج اور غصہ گویا مٹا ہی دیا جائے۔ یہ صفت خدا نے فطرت انسانی کے اندر ایسی ودیعت کی ہے کہ ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے لوگ اسکی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اور زبردست لشکروں کی طاقت و قوت اس کے مقابل پر ہیچ ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ نے انسان میں غصہ وغیرت کی صفت بھی رکھی ہے جو سزا اور انتقام کا تقاضا کرتی ہے۔ ایک انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ ان دونوں صفات میں سے کسی کو بھی معطل نہ کرے اور بالکل کچل کر نہ رکھ دے بلکہ موقعہ و محل کی مناسبت سے جو پہلو نفع مند ترین ہو اسی کو اختیار کرے۔ کیونکہ مرد اور معاشرہ ہر دو اسی اعتدال حسن کی صورت میں ہی اپنی حالت مستقیمہ پر قائم رہ سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ نے انسان میں عفو کی قوت بھی پیدا کی ہے اور انتقام کی قوت بھی پیدا کی ہے۔ یہ دونوں قوتیں ایسی ہیں جن کا بر محل استعمال دنیا کی ترقی میں بہت مد ہوتا ہے۔ کئی مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں عفو سے کام لینا ضروری ہوتا ہے نہ ہر جگہ عفو قابل تعریف ہوتا ہے نہ ہر جگہ انتقام قابل تعریف ہوتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں قوتیں اپنی اپنی جگہ نہایت ضروری ہیں۔ لیکن اگر ہم عفو کی قوت کو کچل دیتے ہیں یا انتقام کی قوت کو لغو قرار دیکر اس سے کام نہیں لیتے تو ہم اپنی ناکامی کے اسباب آپ مہیا کرتے ہیں۔ کامیابی اسی وقت ہو سکتی ہے جب فطرت کو کچلا نہ جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر قویٰ پیدا کئے ہیں ان کا جائز اور بر محل استعمال کیا جائے۔ جو شخص اپنی فطرت کو کچل کر یہ خیال کرتا ہے کہ وہ بڑا بااخلاق ہے یا اپنی فطری استعدادوں کو مٹا کر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے نیکی کا کوئی بہت بڑا مقام حاصل کر لیا ہے۔ وہ انتہاء درجہ کی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ ۳۹)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس قدر قویٰ عطا کئے ہیں ان کے اظہار اور استعمال کیلئے موقعہ اور محل کی شرط لگا دی ہے۔ اس شرط کے ساتھ ہی کسی قوت کا اظہار خلق کہلاتا ہے اور اس کے بغیر محض ایک طبعی قوت ہے جو بچوں اور بہائم میں بھی پائی جاتی ہے اور جس کا کوئی نیک نتیجہ یا ثواب نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"یاد رہے کہ مجرد عفو کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے، تھوڑی دیر کے بعد وہ اس قصہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے۔..... پس ایسا عفو کسی طرح خلق میں داخل نہیں ہوگا۔ خلق میں اسی صورت میں داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقعہ پر استعمال کریں۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۲)

اخلاق انسانی کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک قسم "ترک شر" سے تعلق رکھتی ہے یعنی کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے اور دوسری قسم "ایصال خیر" سے متعلق ہے یعنی وہ اخلاق جن کے ذریعہ کسی کو کوئی خیر پہنچائی جائے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام "ایصال خیر" سے متعلق اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"پہلا خلق ان میں عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا۔ اس میں ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہنچایا جائے سزا دلائی جائے۔ قید کرایا جائے۔ جرمانہ کرایا جائے یا آپ ہی اس پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخش دینا اگر بخش دینا مناسب ہو تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے۔

..... قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ نخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ وہ محل اور موقعہ گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا۔ پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقعہ بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے توبہ کرتا ہے اور بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے۔..... قرآن کریم میں ہر ایک خلق کیلئے محل اور موقعہ کی شرط لگا دی ہے اور ایسے خلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۱، ۳۵۲)

اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے کسی سے حسن سلوک کا موقعہ مل رہا ہو تو اس کے کسی قصور پر ناراض ہو کر اسے محروم نہ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا کرنا پسند نہیں وہ تو خود ہم پر ان گنت احسانات کرتا ہے اور غفلت پر غفلت اور نافرمانی پر نافرمانی دیکھتا ہے مگر اپنے ان عام احسانات سے محروم نہیں کرتا۔

توبہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۝ (التحریم۔۹)

ترجمہ:۔ اے مومنو! اللہ کی طرف خالص طور پر رجوع کرو۔ کوئی تعجب نہیں کہ تمہارا رب تمہاری بدیوں کو مٹا دے اور تم کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

توبہ کیا ہے؟ اس کا معنی کیا ہے؟ توبہ کرنے والا خدا سے کن انعامات کا مستحق قرار پاتا ہے؟ اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"واضح ہو کہ توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی

وجہ سے قرآن شریف میں خدا کا نام بھی تواب ہے یعنی بہت رجوع کرنے والا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ جب انسان گناہوں سے دست بردار ہو کر صدق دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے بڑھ کر اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ امر سراسر قانون قدرت کے مطابق ہے۔ کیونکہ جب کہ خدا تعالیٰ نے نوع انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ جب ایک انسان سچے دل سے دوسرے انسان کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا دل بھی اس کے لئے نرم ہو جاتا ہے۔ تو پھر عقل کیونکر اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ بندہ تو سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے مگر خدا اس کی طرف رجوع نہ کرے۔ بلکہ خدا جس کی ذات نہایت رحیم و کریم واقع ہوئی ہے وہ بندہ سے بہت زیادہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے...... سو بندہ کا رجوع تو پشیمانی اور ندامت اور تذلل اور انکسار کے ساتھ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا رجوع رحمت اور مغفرت کے ساتھ۔ اگر رحمت خدا تعالیٰ کی صفات میں سے نہ ہو تو کوئی مخلصی نہیں پا سکتا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی صفات پر غور نہیں کی اور تمام مدار اپنے فعل اور عمل پر رکھا ہے۔ مگر وہ خدا جس نے بغیر کسی عمل کے ہزاروں نعمتیں انسان کیلئے زمین پر پیدا کیں کیا اس کا یہ خلق ہو سکتا ہے کہ انسان ضعیف البنیان جب اپنی غفلت سے متنبہ ہو کر اس کی طرف رجوع کرے اور رجوع بھی ایسا کرے کہ گویا مر جائے اور پہلا ناکام چولا اپنے بدن پر سے اتار دے اور اس کی آتش محبت میں جل جائے تو پھر بھی خدا رحمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ کیا اس کا نام قانون قدرت ہے؟"

(روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴)

وہ توبہ جو گناہ اور اس کے بد اثرات کو کلیتہ مٹا دے وہ محض منہ سے توبہ توبہ کہہ دینے سے ہی نہیں ہو جاتی بلکہ وہ ایسی ہوتی ہے کہ گویا انسان پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور وہ خدا کی آتش محبت میں جل جاتا ہے اس کے کامل ہونے کی تین شرائط ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ان شرائط کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

"توبہ دراصل حصول اخلاق کیلئے بڑی محرک اور موید چیز ہے اور انسان کو کامل بنا دیتی ہے۔ یعنی جو شخص اپنے اخلاق سیئہ کی تبدیلی چاہتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ سچے دل اور پکے ارادے کے ساتھ توبہ کرے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ توبہ کے تین شرائط ہیں۔ بدوں ان کی تکمیل کے سچی توبہ جسے توبۃ النصوح کہتے ہیں حاصل نہیں ہوتی۔ ان سہ شرائط میں سے پہلی شرط جسے عربی میں اقلاع کہتے ہیں یعنی ان خیالات فاسدہ کو دور کر دیا جاوے جو ان خصائل رذیلہ کے محرک ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تصورات کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ دوسری شرائط ندم ہے یعنی پشیمانی اور ندامت کا ظاہر کرنا۔ ہر ایک انسان کا کانشس اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے کہ وہ اس کو ہر برائی پر متنبہ کرتا ہے مگر بد بخت انسان اس کو معطل چھوڑ دیتا ہے۔

تیسری شرط عزم ہے یعنی آئندہ کیلئے مصمم ارادہ کر لے کہ پھر ان برائیوں کی طرف رجوع نہ کرے گا اور جب وہ مداومت کرے گا تو خدا تعالیٰ اسے سچی توبہ کی توفیق عطا کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ سیئات اس سے قطعاً زائل ہو کر اخلاق حسنہ اور افعال حمیدہ اس کی جگہ لے لیں گے اور یہ فتح ہے اخلاق پر۔ اس پر قوت اور طاقت بخشنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے کیونکہ تمام قوتوں اور طاقتوں کا مالک وہی ہے جیسے فرمایا ان القوۃ للہ جمیعا"

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۸۷-۸۸)

ایک انسان کا کانشس اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے کہ اس کو وہ اس کی ہر برائی پر متنبہ کرتا ہے۔ مگر بد بخت انسان اس کو معطل چھوڑ دیتا ہے۔ پس گناہ اور بدی کے ارتکاب پر پشیمانی ظاہر کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ لذات عارضی اور چند روزہ ہیں۔ اور پھر یہ بھی سوچے کہ ہر مرتبہ اس لذت اور حظ میں کمی ہوتی جاتی ہے...... بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ انسان جو توبہ کیطرف رجوع کرنے اور جس میں اول اقلاع کا خیال پیدا ہو یعنی خیالات فاسدہ اور تصورات بیہودہ کا قلع قمع کرے۔ جب یہ نجاست اور ناپاکی نکل جائے تو پھر نادم ہو اور اپنے کئے پر پشیمان ہو۔

قرآن مجید نے جو تواب خدا پیش کیا ہے وہ گناہ کی مقدار یا گنہگاروں کی تعداد کو نہیں دیکھتا بلکہ توبہ کرنے والے کے دل کے خلوص پر نظر کرتا ہے اور اسے اپنی رحمت سے حصہ عطا فرماتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ انسان اگر سچے دل سے اخلاص لے کر رجوع کرے تو وہ غفور رحیم ہے اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔ یہ سمجھنا کہ کس کس گناہگار کو بخشے گا خدا تعالیٰ کے حضور سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اس کی رحمت کے خزانے وسیع اور لاانتہاء ہیں۔ اس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ اس کے دروازے کسی پر بند نہیں...... خدا کے حضور جس قدر پہنچیں گے سب اعلیٰ مدارج پائیں گے۔ یہ یقینی وعدہ ہے۔ وہ انسان بڑا ہی بد قسمت اور بد بخت ہے جو خدا تعالیٰ سے مایوس ہو اور اسکی نزع کا وقت غفلت کی حالت میں اس پر آ جاوے۔ بے شک اس وقت دروازہ بند ہو جاتا ہے۔" (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۲۲۔ ۲۲۳)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کیا کیا خوشخبریاں دیتا ہے اور کس کس طرح انہیں مایوسی سے بچانا چاہتا ہے۔ کیسے وہ تیار بیٹھا ہے کہ اپنے بندوں کے گناہ بخشے۔ بس کوئی اس کے حضور پہنچے تو سہی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس قرآنی تعلیم کا خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف میں جو خدا نے یہ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بندو! مجھ سے نومید مت ہو۔ میں رحیم و کریم اور ستار و غفار ہوں اور سب سے زیادہ تم پر رحم کرنے والا ہوں۔ اور اس طرح کوئی بھی تم پر رحم نہیں کرے گا جو میں کرتا ہوں۔ اپنے باپوں سے زیادہ میرے ساتھ محبت کرو کہ درحقیقت میں محبت میں ان سے زیادہ ہوں۔ اگر تم میری طرف آؤ تو میں سارے گناہ بخش دوں گا اور اگر تم توبہ کرو تو میں قبول کروں گا اور اگر تم میری طرف آہستہ قدم سے بھی آؤ تو میں دوڑ کر آؤں گا۔ جو شخص مجھے ڈھونڈے گا وہ مجھے پائے گا اور جو شخص میری طرف رجوع کرے گا وہ میرے دروازہ کو کھلا پائے گا۔ میں توبہ کرنے والے کے گناہ بخشتا ہوں خواہ پہاڑوں سے زیادہ گناہ ہوں۔ میرا رحم تم پر بہت زیادہ ہے اور غضب کم ہے کیونکہ تم میری مخلوق ہو۔ میں نے تمہیں پیدا کیا اس لئے میرا رحم تم سب پر محیط ہے۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۵۶)

خدا کا پاک مسیح لوگوں کو حقیقی نجات عطا کرنے آیا تھا۔ آپ بنی نوع انسان کو حقیقی نجات کی راہ بتاتے ہوئے اور اس کے برعکس صورت حال سے متنبہ کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں۔

"پس اٹھو اور توبہ کرو اور اپنے مالک کو نیک کاموں سے راضی کرو اور یاد رکھو کہ اعتقادی غلطیوں کی سزا تو مرنے کے بعد ہے اور ہندو یا عیسائی یا مسلمان ہونے کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا۔ لیکن جو شخص ظلم اور تعدی اور فسق و فجور میں حد سے بڑھتا ہے اس کو اسی جگہ سزا دی جاتی ہے۔ تب وہ خدا کی سزا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتا۔ سو اپنے خدا کو جلدی راضی کر لو اور قبل اس کے کہ وہ دن آوے جو خوفناک دن ہے۔...... تم خدا سے صلح کر لو۔ وہ نہایت درجہ کریم ہے۔ ایک دم کے گداز کرنے والی توبہ سے ستر برس کے گناہ بخش سکتا ہے اور یہ مت کہو کہ توبہ منظور نہیں ہوتی۔ یاد رکھو کہ تم اپنے اعمال سے کبھی بچ نہیں سکتے۔ ہمیشہ فضل بچاتا ہے نہ اعمال۔ اے خدائے کریم و رحیم! ہم سب پر فضل کر کہ ہم تیرے بندے اور تیرے آستانہ پر گرے ہیں۔ آمین" (روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۷۴)

خون

گوشہ گوشہ جسم کا سیراب کر دیتا ہے یہ
خلیہ خلیہ عرق خون ناب کر دیتا ہے یہ

ظاہری طور پر اگر انسانی جسم پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں انسانی جسم کی کھال یا اس پر موجود بال نظر آتے ہیں۔ جسم کے اس سانچے کے اندر تین بنیادی اجزاء گوشت' ہڈیاں اور خون ہے۔

خون ایک سرخ سیال ہے جس میں زندہ ٹشوز پائے جاتے ہیں۔ خون جسم کے تمام زندہ اعضاء کو ان کی خوراک پہنچاتا ہے اور انکی گندگی یا ان کے فاضل مادے ان سے لیکر مناسب طور پر جسم سے باہر نکالنے کا انتظام کرتا ہے۔ خون کا جسم میں مرکز انسانی سینے میں پایا جانے والا دل ہوتا ہے جہاں سے صاف خون جسمانی اعضاء کی طرف اور گندہ خون پھیپھڑوں کی طرف پمپ کیا جاتا ہے۔ دل اور خون کے اس تعلق کے بارے میں ڈاکٹر محمود الحسن صاحب کہتے ہیں۔

جمع کرتا ہے یہ سارے جسم کا خون کثیف
پھیپھڑے ملکر بناتے ہیں جسے جنس لطیف

انسانی اور حیوانی جسم میں دوڑنے والا یہ خون پانی کے مقابلے میں قدرے بھاری ہوتا ہے۔ جو خون بڑی رگوں میں دوڑتا ہے اس میں آکسیجن کی وافر مقدار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ چمکدار ہوتا ہے۔ ایک بالغ مرد یا عورت میں خون کی مقدار بالترتیب پانچ ہزار ملی لیٹر اور چار ہزار ملی لیٹر ہوتی ہے۔

خون کی گردش دل کی دھڑکن کی رہین منت ہوتی ہے۔ دل ایک منٹ میں ۷۰ سے ۱۳۰ بار دھڑکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں خون پورے جسم میں گردش کرتا رہتا ہے۔ دل کی ایک دھڑکن کے نتیجہ میں ۱۵۰ سے ۱۹۰ سی سی خون دھکیلا جاتا ہے۔ اگر خون کا خوردبینی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں دو طرح کے ذرات ہیں۔ ایک سرخ اور دوسرے سفید۔

خون میں پائے جانے والے سرخ ذرات (یا ذرات) کی تعداد ایک بالغ شخص میں پینتالیس لاکھ سے ساٹھ لاکھ فی کیوبک ملی لیٹر خون میں ہوتی ہے۔ سرخ خلیوں (ذرات) کی کارکردگی اس میں پائے جانے والے ہیموگلوبن کی مقدار اور طاقت پر منحصر ہے۔ سو ملی لیٹر خون میں بارہ سے سترہ گرام ہیموگلوبن عام طور پر پایا جاتا ہے۔ جو آکسیجن کو جسم کے مختلف اعضا تک لیکر جانے میں نہایت کارآمد ہے۔

خون میں پائے جانے والے سفید ذرات کی مقدار پانچ ہزار سے دس ہزار فی کیوبک ملی لیٹر ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چار سو یا پانچ سو سرخ خلیوں میں صرف ایک سفید خلیہ ہوتا ہے۔ اسکی اصل مقدار ایک ہی شخص میں ہر گھنٹے میں مختلف ہوتی ہے کم سے کم مقدار صبح کے وقت اور زیادہ سے زیادہ مقدار شام کے وقت مشاہدہ کی گئی ہے۔

خون کے سیال میں جو پلازمہ کہلاتا ہے۔ اس میں پانی نوے فیصد' نوے فیصد پروٹین' اشاریہ نوے فیصد معدنی نمک جن میں سوڈیم کلورائیڈ نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور البیومنز وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

خون کے ذرات ہڈیوں کے گودے سے بنتے ہیں اور ہر روز سرخ ذرات کی ایک مقدار تلف ہو جاتی ہے لیکن اس کی تلافی ساتھ ہی ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ ایک سو بیس دن کے بعد خون کے تمام پرانے سرخ ذرات کی جگہ نئے ذرات لے لیتے ہیں۔

دور جدید میں کسی بھی مریض کو خون دینے سے پہلے اس کے خون کی قسم معلوم کرلی جاتی ہے۔ "O" کے نام سے موسوم خون ہمہ گیر ہوتا ہے۔ سائنسدانوں نے علاج کے سلسلے میں انسانی خون کی اہمیت اور افادیت تو ثابت کر دکھائی ہے جس کا کوئی منکر نہیں لیکن وہ خون کا بدل تیار نہیں کرپائے۔ خون کے ایک ایک ذرے کی اہمیت اس کے متبادل نہ ملنے سے عیاں ہے اور خود خون میں موجود بے شمار عجائبات دنیا کے نامور ماہر طبیعات لارڈ مالیکون کا قول یاد دلاتے ہیں۔

"آپ جتنا زیادہ غور و فکر سے کام لیں گے اتنا ہی سائنس آپ کو خدا کے ماننے پر مجبور کردے گی۔"

بقیہ صفحہ ۱۴۳ ...... پر

(راجہ برہان احمد طالع متعلم طاہر ہوسٹل ربوہ)

پاکستان میں سائنس کی حالت

(ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب)

بحیثیت مجموعی تیسری دنیا رفتہ رفتہ اس حقیقت کو سمجھنے لگی ہے کہ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہی ہے جو شمال یعنی ترقی یافتہ ممالک اور جنوب یعنی ترقی پذیر ممالک میں وجہ امتیاز ہے۔ اور یہ کہ آج سائنس اور ٹیکنالوجی پر ہی قوموں کے معیار زندگی کا انحصار ہے۔ وہ یہ بھی سمجھنے لگی ہے کہ اقتصادی اور سیاسی اثر و رسوخ کے میدان میں شمال و جنوب میں یہ روز افزوں فاصلہ بنیادی طور پر سائنس کی وجہ سے ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کرہ ارض پر آج دو طرح کے انسان بس رہے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں یہ صلاحیت ہے کچھ سائنس اور ٹیکنالوجی دے سکتی ہے حاصل کرلیں۔ اس کی وجہ سے وہ اقتصادی طور پر بالا دست ہیں اور ان میں یہ طاقت ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق حالات کا رخ موڑ سکیں۔ دوسرے وہ ہیں جنہوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنے روز مرہ زندہ کا جزو نہیں بنایا جس کی وجہ سے وہ بے وقعت اور بالعموم غریب ہیں۔

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی پہ ہونے والے اخراجات کی تفصیل دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ دفاع، تعلیم اور صحت عامہ پر قومی بجٹ کے فیصد اخراجات میں اگر کچھ فرق ہے تو تھوڑا سا اس کے بر خلاف سائنس اور ٹیکنالوجی کے اخراجات میں دس گنے سے زیادہ کا فرق ہے۔ ثابت یہ ہوا کہ ہم جنوب کے لوگ سائنس اور ٹیکنالوجی کے معاملہ میں افسوسناک حد تک غیر سنجیدہ ہیں۔ جہاں تک اپنے ملک پاکستان کا سوال ہے مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہے کہ یہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب و خستہ ہے۔ جسے چند لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہاں بنیادی سائنس میں حقیقی معنوں میں ریسرچ نام کی شے کا وجود ہی نہیں ہے اور اعلیٰ ٹیکنالوجی کے لفظ سے ہمارے کان ابھی آشنا تک نہیں۔ دکھ کی بات اس وجہ سے اور بھی ہے کہ پاکستانی قوم کوئی چھوٹی قوم نہیں۔ اس ملک کی آبادی ساڑھے نو کروڑ سے بھی زیادہ ہے جو جاپان کے برابر اور فرانس اور برطانیہ سے دوگنی ہے۔

ماضی میں امت مسلمہ نے سائنس کی ترویج و ترقی میں شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ، جن میں کچھ مسلمان بھی شامل ہیں اسلامی سائنس کے سنہرے دور کو محض یونانی روایت کا تسلسل کہہ کر اس کی عظمت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ نک چڑھے لوگ بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ مسلمان سائنسدانوں ہی نے دنیا کو پہلی بار اس خیال سے روشناس کرایا تھا کہ سائنس اپنی ابتداء اور انتہاء میں ایک عمل اور تجربی علم ہے۔ دیکھئے بریفالٹ نے اس بابت کیا کہا ہے:۔

"اہل یونان نے ضابطہ بندی کی، عام اصول وضع کئے اور نظریئے بنائے۔ مفصل اور طویل مشاہدے اور عملی و تجرباتی تحقیق کے صبر آزما مراحل کو طے کرنا یونانی مزاج کے یکسر خلاف تھا۔ جس چیز کو ہم سائنس کہتے ہیں وہ مشاہدے، تجربے اور پیمائش کے ان نئے طریقوں سے پیدا ہوئی جو یوروپ میں مسلمانوں نے متعارف کرائے۔ جدید سائنس اسلامی تہذیب کا انتہائی اہم اور شاندار کارنامہ ہے۔"۔

بریفالٹ کی اس رائے کی تصدیق سائنس کے عظیم مورخ جارج سارٹن نے بھی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"ازمنہ وسطی کا اہم ترین کارنامہ تجرباتی اسپرٹ کی تخلیق تھا اور یہ بنیادی طور پر مسلمانوں نے پیدا کیا تھا جو بارہویں صدی

تک جاری رہا۔"

یہ تجرباتی علم و مہارت پر اصرار تھا جو دنیا بھر کے مسلمانوں بالخصوص پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش کے مسلمانوں کو روایتی کاریگری اور ہنرمندی میں ہمیشہ درجہ کمال حاصل تھا۔ بدقسمتی سے برصغیر کے مسلم حکمرانوں کو علمی ادارے یا سائنس اکیڈمی اور یونیورسٹیاں قائم کرنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہیں اگر کوئی دلچسپی تھی تو صرف اپنے مقبرے تعمیر کرانے سے دلچسپی تھی جو ان کی عظیم الشان سلطنتوں کی یادگار کہلائیں۔ افسوس کہ ان کی چھوڑی ہوئی یہ روایت کسی نہ کسی شکل میں آج بھی جاری ہے۔ پاکستانی سائنس اور ٹیکنالوجی کی خستگی کی بابت جو کچھ میں نے کہا اس کی وضاحت میں میں چند حقائق پیش کروں گا۔

انڈیا جس کی آبادی پاکستان سے صرف آٹھ گنا زیادہ ہے فزکس میں ہر سال ۲۰۰ پی۔ ایچ۔ ڈی سائنسدان پیدا کر رہا ہے۔ اس کے برخلاف پاکستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی پنجاب یونیورسٹی نے اپنی سو سال کی عمر میں فزکس میں کل تین Ph.D. پیدا کئے ہیں اور ریاضی میں تو ایک بھی نہیں۔

رسالہ کونسپٹ میں شائع ہونے والے اپنے ایک مقالہ میں ڈاکٹر مجاہد کامران نے سائنسی قحط الرجال کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

"پاکستان کی یونیورسٹیوں میں فزکس پڑھانے والے اساتذہ کی کل تعداد ۸۶ ہے اور ان میں سے بھی صرف ۴۶ پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔"

وہ مزید لکھتے ہیں۔

"پلازما فزکس میں انڈیا کے پاس ۱۵۰ سائنسدان ہیں جب کہ پاکستان کے پاس فقط تین۔ لیزر فزکس میں درک رکھنے والے سائنسدانوں کی تعداد پاکستان میں ۱۵ ہے اور انڈیا میں ۲۰۰ سے زائد اور چین میں ۲۰۰۰ سے زائد ہے۔ انڈیا میں سائنسدانوں کی تعداد پاکستان سے اسی گنا زیادہ ہے جب کہ انڈیا کی آبادی پاکستان سے صرف آٹھ گنا زیادہ ہے۔"

پروفیسر مائیکل موروونگ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:-

"پاکستان تیسری دنیا کے ان چند ممالک میں شامل ہے جہاں تحقیقی اشاعت تیزی سے گھٹ رہی ہے جب کہ دوسرے ترقی پذیر ممالک میں اوسطاً ۴۰ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔"

انہوں نے ابھی حال ہی میں مجھے ایک مراسلہ بھیجا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ صدر پاکستان سے ان کی کئی برس سے خط و کتابت چل رہی ہے جس میں انہوں نے آگاہ کیا ہے کہ

"پاکستان کی جامعات سے کوئی نیا علم تخلیق نہیں ہو رہا ہے۔ اور نہ وہ اپنے طلباء و طالبات میں علم منتقل کر رہی ہے۔ چنانچہ پاکستانی سائنس شدید خطرے میں ہے۔"

پاکستانی سائنس پسماندہ کیوں؟

چار چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے پاکستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی پسماندہ ہے۔

الف:۔ جدید تعلیم اور افرادی قوت کی کمی۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کی بنیاد جدید تعلیم ہے۔ پاکستان میں پرائمری سطح پر یعنی 6 تا 11 سال کے بچے اور بچیاں علم کی الف بے سے بھی محروم رہتے ہیں۔ سیکنڈری سطح پر یعنی 13۔17 سال کی عمر کے نوجوانوں میں سے صرف 13 فیصد تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جب کہ ترقی پذیر ممالک کا اوسطاً 39 فیصد ہے اور ترقی یافتہ ممالک کا 86 فیصد۔ اس سے اوپر یونیورسٹی کی تعلیم آتی ہے۔ یعنی 23 سال کی عمر کے نوجوانوں کی تعلیم۔ پاکستان میں اس عمر کے نوجوانوں میں صرف 3 فیصد یونیورسٹی کی تعلیم ہے جب کہ ترقی پذیر ممالک کی اوسط 9 فیصد اور ترقی یافتہ ممالک کی 30 فیصد ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں ترقی یافتہ ممالک میں یونیورسٹی تعلیم حاصل کرنے والوں نوجوانوں کی تعداد پاکستان کے مقابلہ میں دس گنا زیادہ ہے۔ اس پر ستم یہ کہ پاکستان میں سائنسی تعلیم حاصل کرنے والوں طلباء کی تعداد آرٹس کی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے مقابلے میں کم ہے۔

(ب): قومی پہچان کا فقدان

پاکستان میں سائنسی علم کے حصول و ترقی کیلئے کوئی قومی پہچان نہیں ہے۔ کوئی اجتماعی احساس نہیں ہے کہ قوم کے اقتصادی اور دیگر مسائل حل کرنے کیلئے سائنس کے علمی اطلاق سے فائدہ اٹھایا جا سکتا

ہے۔ جیسا کہ جاپان میں شہنشاہ میجی کے دور میں ہوا تھا۔ شہنشاہ نے جاپان کے نئے آئین کی فرد کی حیثیت سے حلف اٹھائے تھے جن میں سے ایک یہ تھا۔

"جاپان کی عظمت و جلالت کی خاطر پوری صلاحیت و استطاعت سے علم حاصل کیا جائے گا۔ خواہ وہ کہیں سے بھی حاصل ہو۔"

اس قومی پہچان کے فقدان کا ایک پہلو یہ ہے کہ سائنس دانوں کیلئے افسران بالا کے دل میں ایک قسم کی حقارت کا جذبہ ہے جس کا چشم دید گواہ میں خود ہوں۔

مجھے پلاننگ کمیشن کا ایک سابق چیئرمین یاد آتا ہے۔ میں نے ان سے سائنس دانوں کے رہائشی مسئلے کو حل کرنے کی درخواست کی تھی انہوں نے اس درخواست پر فرمایا۔

"آدھا کراچی فٹ پاتھ پر سوتا ہے۔ سائنس دان فٹ پاتھ پر کیوں نہیں سو سکتے؟"

اور جب میں نے ان سے گزارش کی کہ سائنس پر مبنی صنعتوں کی منصوبہ بندی کرتے وقت سائنسدانوں سے مشورہ کر لیجئے گا تو انہوں نے تنک مزاجی سے کہا:۔

"مجھے سائنس دانوں سے مشورہ لینے کی کیا ضرورت ہے میں اپنا گھر چلانے کیلئے اپنے باورچی سے مشورہ نہیں لیا کرتا۔"

لیکن انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ اپنے کون سے قدرتی حق کی بنا پر پلاننگ کمیشن کے سربراہ بنے بیٹھے ہیں۔

کارگہ سائنس کے نظام کی خرابی

پاکستان میں کارگہ سائنس کا نظام نوجوان، پرجوش، فعال اور عملی سائنسدانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسرے بڑے ملکوں میں یہ عام روایت ہے۔ چند مستثنیات سے قطع نظر ہماری یونیورسٹیوں میں سائنس کا تخلیقی سرچشمہ خشک پڑا ہے۔ یونیورسٹیوں سے باہر پاکستان کاغذی قسم کی تحقیقی تنظیموں کی جنت ہے جن میں زندہ رہنے کی سکت نہیں اور اگر ہو بھی تو ان کے درمیان رابطے کا کوئی موثر نظام نہیں۔

سائنس اپنی ترقی کیلئے بلند پرواز اونچی شخصیتوں کی محتاج ہے۔ ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ ایسے لوگ ملک سے باہر نہ جانے پائیں۔ بلکہ ملک کے اندر ہی رہ کر اس کی خدمت کرتے رہیں۔

کارگہ سائنس کا انتظام خود سائنس دانوں کے ہاتھ میں رہنا چاہئے۔ اسرائیل کے سائنسدان ڈی شیلط (D-Shelit) نے اسرائیل کی سائنسی پالیسی کے بارے میں ایک موقع پر یہ کہا۔

"ہماری سائنسی پالیسی بہت سادہ ہے۔ اس کے صرف دو اصول ہیں۔ اول یہ کہ ایک عملی سائنسدان کبھی غلط نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے۔ اور جتنا کم عمر اور نوجوان ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ صحیح ہوگا۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ ہم اپنی یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں سے وابستہ سائنسدانوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اپنے تحقیقی کام کے سلسلے میں جب چاہیں جہاں چاہیں چلے جائیں ان کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ اسی طرح وہ اپنی تحقیق کی خاطر ملک سے باہر بھی عارضی طور پر جا سکتے ہیں۔ باہر جانے کی صورت میں صرف ایک شرط عائد کی جاتی ہے کہ وہ اسرائیلی لڑکی سے شادی کر کے جائے تاکہ واپسی کا رستہ کھلا رہے۔۔"

اہل پاکستان کیلئے اس میں درس عبرت پنہاں ہے۔

ٹیکنالوجی میں خود اعتمادی کی کمی

پاکستان میں یکے بعد دیگر آنے والی حکومتوں میں سے ایک نے بھی ٹیکنالوجی میں حتی کہ دفاعی ٹیکنالوجی میں بھی خود اعتمادی پیدا کرنے کو قومی مقصد قرار نہیں دیا۔ ہمارے سامنے ٹیکنالوجی کی کوئی واضح پالیسی نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہم نے ٹیکنالوجی کی سائنسی بنیاد پر توجہ دی۔ ہم میں اس امر کا احساس ہی نہیں ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کی منتقلی ساتھ ساتھ ہونی چاہئے۔

پاکستانی سائنس کیسے توانا ہوگی؟

اب میں ان اقدامات کا ذکر کروں گا جن سے ملک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی حالت کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

ملک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی حالت کو بہتر بنانے کیلئے جو اقدامات تجویز کئے گئے ہیں ان پر عمل درآمد اور ان کی کامیابی کا دارومدار کافی حد تک اس بات پر منحصر ہے کہ ہمارے معاشرے کی صحت کیسی ہے اور قوم کا رجحان کیا ہے اور وہ جدید تقاضوں سے کتنی آگاہ ہے۔ ہم کامیابی سے اسی صورت میں ہمکنار ہو سکتے ہیں جب ملک میں دانشوری کی عزت و توقیر ہو، آزادی فکر و رائے ہو، تعصب و

تنگ نظری کے بجائے اخوت، رواداری کا ماحول ہو اور ہم میں زبان، طرز بود و باش، عقائد اور نظریات میں اختلاف کے باوجود بہ حیثیت ایک قوم کے رہنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ ہو۔ اس زاویہ نگاہ سے جب ہم ملک کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ یہاں دانشوری پامال ہے، اخوت و رواداری عنقا ہو رہی ہے اور آزادی فکر و رائے نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ یک قومیت کے رجحان کا فروغ تو در کنار، مختلف طبقے ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں، فرقہ وارانہ کشیدگیاں بڑھ رہی ہیں۔ تنگ نظری اور تعصب کے سائے تاریک تر ہوتے جا رہے ہیں اور طرح طرح کی قومیتوں کا نام لیا جا رہا ہے۔ قطع نظر مذہبی اختلافات کے جن کا ذکر بھی منع ہے قوم کے افراد میں خود کو پہلے پنجابی، سندھی، پٹھان، بلوچی اور مہاجر اور بعد میں پاکستانی سمجھنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اخباروں میں قتل و غارتگری اور فسادات کی خبریں بڑھتی جا رہی ہیں کیا یہ سب پنپنے اور آگے بڑھنے کی باتیں ہیں؟

ان حالات کو دیکھ کر ذہن میں اس سوال کا اٹھنا فطری ہے کہ کیا یہ وہی پاکستان ہے جس کا خواب قائد اعظم نے دیکھا تھا اور جس کیلئے لاکھوں افراد تباہ و برباد ہوئے اور اپنی جانیں دیں۔ افسوس کہ نہیں! قائد اعظم کے خوابوں کے پاکستان میں اور ہمارے آج کے پاکستان میں شمال و جنوب کا فرق ہے۔ انہوں نے اور دوسرے اکابر نے اس پاکستان کا خواب دیکھا تھا جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے تہذیبی اقدار کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اخوت و رواداری ہو، آزادی فکر و رائے ہو، دانشورانہ قدروں کا فروغ ہو، فرقہ ورانہ ہم آہنگی ہو اور ہر ایک کو مجموعی طور پر اپنی زندگی اپنے طور پر گذارنے کی آزادی ہو۔ قائد اعظم کی دستور ساز اسمبلی منعقدہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء میں کی گئی ایک تقریر کے اقتباس کے آئینے میں دیکھئے کہ ان کے ذہن میں پاکستان کی کیا تصویر تھی۔ اور انہوں نے ملک کی ترقی کیلئے کیا نسخہ بتایا تھا۔

"...... اگر آپ ماضی کو بھول کر باہمی کدورتوں کو دفن کر کے مل جل کر کام کریں گے تو آپ کی کامیابی یقینی ہے۔ اگر آپ ماضی (قریب) سے منہ موڑ کر بھائی چارگی کے ماحول میں اس طرح کام کریں گے کہ آپ میں سے ہر ایک چاہے وہ جس کسی فرقے سے بھی تعلق رکھتا ہو، ماضی میں اس کا آپ سے کیسا ہی تعلق رہا ہو اور چاہے وہ جس کسی بھی رنگ، ذات، یا عقیدے کا ہو، اول، ثانی اور آخر اس ملک کا شہری ہے جس کے حقوق، مراعات اور فرائض برابر ہیں تو آپ بے مثال ترقی کریں گے......"

"آپ آزاد ہیں، آپ آزاد ہیں مندروں میں جانے کیلئے، آپ آزاد ہیں اپنی مساجد میں یا کسی اور عبادتگاہ میں جانے کیلئے۔ آپ کا تعلق کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہو سکتا ہے۔ اس سے ریاست کو کوئی سروکار نہیں۔ ہم آغاز کر رہے ہیں اس طرح کہ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ ایک فرقے کو کسی دوسرے فرقے پر فوقیت نہیں، ایک ذات یا عقیدے کو کسی اور ذات یا عقیدے پر فوقیت نہیں...... آج سے یہ آئیڈیل ہمیشہ ہمارے سامنے رہے گا۔"

بدقسمتی سے ہم قائد اعظم کے قوم کو توانا کرنے کے اس نسخے کو بہت جلد بھول گئے۔ اس کا قصہ میری سمجھ کے لحاظ سے یہ ہے جس وقت قیام پاکستان عمل میں آیا پاکستانی قوم تعلیمی لحاظ سے کافی پسماندہ تھی۔ اس پسماندگی کا ایک بڑا سبب روایتی مذہب پرست طبقے کی طرف سے مغربی علوم اور انگریزی تعلیم کی پر زور مخالفت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں ایک طرف 1824ء میں راجہ رام موہن رائے نے بنگال میں سنسکرت کالج کے بجائے انگلش کالج قائم کرنے کی پر زور سفارش کی تھی وہیں دوسری طرف 1835ء میں علماء کے آٹھ ہزار دستخطوں سے یہ عرض داشت پیش کی گئی تھی کہ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم نہیں چاہئے۔ دلیل یہ دی گئی تھی کہ "انگریز بندوق، توپ اچھی بنالیتا ہے۔ مگر علم سے بے بہرہ ہے"۔

(محمد یٰسین ماہنامہ تہذیب الاخلاق جلد ۷ شمارہ 1 صفحہ 30)

اسی طرح جب سرسید نے تعلیمی اور اصلاحی تحریک (جو بعد میں علی گڑھ تحریک کے نام سے مشہور ہوئی) شروع کی تو کس کس طرح سے سرسید کی مخالفت نہ کی گئی۔ اس دور کا وہ کون سا مذہبی فرقہ تھا جو ان کے خلاف صف آرا نہ ہوا۔ مذہبی علماء کی ایک بڑی بھاری اکثریت نے انہیں دین سے خارج سمجھا اور ان کے خلاف کفر و ارتداد کے فتاویٰ دیئے۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر سرسید کو یہ کہنا پڑا کہ آپ لوگ چاہے مجھے کافر سمجھیں یا کچھ اور میرا مقصد قوم کے بچوں کے مستقبل کی تعمیر ہے۔ خدا را آپ مجھ سے یہ کام لیں۔ ویسے ہی جیسے کسی غیر

مسلم راج گیر سے مسجد کی تعمیر کا کام لیتے ہیں۔ سر سید کا قصور کیا تھا جو ان کی اتنی زبردست مخالفت ہوئی۔ محض یہ کہ سر سید کا یہ قول تھا۔

"ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن ہو' بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ **لا الہ الا اللہ**" ہو۔

اور یہ کہ

"اے صاحبو! اب زمانہ ایسا نہیں ہے کہ ہم صرف اپنے ہونہار پودوں کی پرورش کرنے پر بس کریں بلکہ زمانہ مقابلہ کے میدان میں بہت قوی اور زبردست پہلوان لایا ہے۔ پس جب تک ہم بھی اپنی قوم کے جوانوں کو میدان میں نہ لائیں ہماری کامیابی ممکن نہیں ہے۔ اس وقت ہم کو ضرورت ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے ایک تعداد کثیر نہیں تو ایک تعداد معقول اپنی قوم کے جوانوں کی پیدا کریں جو علم اور قابلیت میں اور ان علوم میں جو اس زمانہ کی حاجتوں کیلئے ضروری ہیں۔ سر بر آوردہ ہوں۔ (سر سید)

مذہبی طبقے کی شدید مخالفت کی وجہ سے سر سید تحریک کے اثرات ایک خاص حد تک ہی پھیل پائے اور قوم میں جدید تعلیم عام نہ ہو پائی۔ قوم میں جدید تعلیم کی کمی کی وجہ سے تعصب اور تنگ نظری کو پھل پھولنے کا موقع مل گیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستانی قوم نسلی' مذہبی اعتقادات اور لسانی اعتبار سے کئی خانوں میں بٹی ہے۔ اس نوع کے اختلافات بیشتر ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے ہونے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ برائی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ان اختلافات میں تعصب اور تنگ نظری کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔ اس تنگ نظری کے نقصانات کی بابت علامہ اقبال کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

"......اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو تنگ نظری چھوڑ دو۔ تنگ نظری چھوڑ کے سارے اختلافات مٹ سکتے ہیں۔"

اس روشنی میں ملک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا فروغ تو ایک طرف قومی فلاح و ترقی کا کوئی بھی منصوبہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملک میں تعصب و تنگ نظری کو ختم کر کے اخوت و رواداری کا ماحول نہ پیدا ہو۔ اس سلسلے کی سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ رواداری' عقائد اور فکر و رائے کی آزادی ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ ہمیں صرف قرآن کریم اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور بعد کے اکابرین کی راہ پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ کلام پاک میں کئی مقامات پر واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ عقائد اور فکر و رائے میں کوئی زور و زبردستی نہیں ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں:-

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (۲:۲۵۶) دین میں زبردستی نہیں ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

(اے پیغمبران منکرین اسلام سے) کہدو کہ اے کافرو! جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا۔ اور جس (خدا) کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور (میں پھر کہتا ہوں کہ) جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنیوالا نہ تم اس کی بندگی کرنیوالے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔

تو تم نصیحت کرتے رہو کہ تم نصیحت کرنے والے ہی ہو' تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور جن لوگوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا نہ کہہ بیٹھیں۔

یہ آخری ہدایت ان لوگوں کی بابت تھی جو اسلام کے لحاظ سے جھوٹے خداؤں میں یقین رکھتے تھے۔ مذہبی رواداری کا یہ اصول قابل غور ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی زندگی سے بھی چند مثالیں پیش ہیں۔

1۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں کے یہودیوں سے ایک معاہدہ کیا جس کا اہم جز مذہبی عقیدے اور عبادت کی آزادی تھا۔

2۔ فتح مکہ کے بعد اسلام کا شدید دشمن عکرمہ مکہ سے بھاگ گیا تھا۔ جب اس کی بیوی نے آنحضور ﷺ کے پاس آکر یہ پوچھا کہ کیا عکرمہ مکہ واپس آسکتا ہے اور پہلے کی طرح بتوں کی خدائی میں یقین رکھ سکتا ہے تو آپ نے جو جواب دیا وہ انسانیت کیلئے مشعل راہ ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان اور عقیدے کا تعلق انسان کے ضمیر سے ہے اور انسان کا ضمیر آزاد ہے۔ اگر عکرمہ یہاں آتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ وہ اپنے عقائد پر عمل کیلئے آزاد ہوگا۔

3۔ تیسرے واقعے کا تعلق نجران کے عیسائیوں کے وفد سے ہے جو حضور اکرمؐ سے تفصیلی گفتگو کرنے مدینہ میں ہوا تھا۔ حضورؐ نے ان کے اداروں کے قائم رہنے کا یقین دلایا۔ گفتگو کے دوران وفد کے ممبران اپنی عبادت کیلئے وقفہ چاہتے تھے۔ لیکن ان کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ عبادت کہاں کریں۔ حضور نے ان کی پریشانی بھانپ لی اور ان سے کہا کہ آپ لوگ اس مسجد میں (جو اسلام کی ایک متبرک مسجد ہے) اپنی عبادت کرلیں۔ تاریخ میں یہ مذہبی رواداری اور فیاضی کی نادر مثال ہے کہ اپنی عبادتگاہ میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو عبادت کی اجازت دی جائے۔ کلام پاک اور پیغمبر اسلام کی انہیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ قرون اولی کے مسلمانوں نے مذہبی رواداری اور انسانی اخوت و ہمدردی کی نادر مثالیں قائم کیں۔ یہاں ان کے ذکر کا وقت نہیں ہے۔ البتہ اسلام آنے کے کئی صدیوں بعد کا ایک واقعہ سنانا چاہوں گا جو اورنگ زیب عالمگیر کے دور (1960 AD) کا ہے اور جن کے بارے میں چند مورخین کا یہ خیال ہے کہ وہ تنگ نظر اور متعصب بادشاہ تھا۔ ایک شاہی افسر نے اورنگ زیب کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ اس کے دو نائبین جو کہ مذہباً پارسی ہیں اور آگ کی پوجا کرتے ہیں انہیں برخاست کردیا جائے کیونکہ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ.....الخ

مومنو اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے (مکے سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

اورنگ زیب نے اس درخواست پر یہ نوٹ تحریر کیا:۔

میں نے تمہاری درخواست پڑھی۔ کوئی بھی آتش پرست یا ہندو ایک سرکاری عہدے سے صرف اس لئے نہیں ہٹایا جاسکتا کہ وہ کافر ہے تم نے پوری آیت کو سامنے نہیں رکھا جو یہ ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ.... الخ (الممتحنہ:2)

مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کیلئے (مکے سے) نکلے ہو تو میرے اور دشمنوں کو دوست مت بناؤ تم تو ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین حق) سے جو تمہارے پاس آیا ہے منکر ہیں اور اس باعث سے کہ تم اپنے پروردگار خدائے تعالیٰ پر ایمان لائے ہو پیغمبر کو اور تم کو جلاوطن کرتے ہیں۔

اس لئے یہ ہدایت ان منکرین خدا کی بابت ہے جنہوں نے مسلمانوں کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کردیا۔

درحقیقت اگر تم نے آگے پڑھا ہوتا تو پاتے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس کے برخلاف ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ وہ فرماتا ہے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لم يقاتلو كم فی الدين و لم يخرجو كم من ديار كم ان تبرو هم و تقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين

(60:9)

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا۔ خدا تو انصاف کرنے والوں کا دوست ہے۔

اس لئے تمہاری درخواست نامنظور کی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں ملک کے موجودہ ماحول سے اور یہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی پسماندگی سے دل شکستہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں یہ کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ یہاں کے حالات بہتر ہوں اور دانشوری کا فروغ ہو۔ جہاں تک سائنس کا سوال ہے اس کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کیلئے بھی زیادہ سے زیادہ نسل دو نسل کی ضرورت پڑتی ہے۔ جیسا کہ امریکہ، روس، جاپان اور اب برازیل، انڈیا، چین اور کچھ عرصے سے کوریا کی مثالوں سے ظاہر ہے۔

پاکستان کیلئے سائنس کی افادیت

میں سائنس اختیار کرنے اور سائنسی علم حاصل کرنے کے بارے میں اتنا جذباتی کیوں ہو رہا ہوں؟ محض اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم حاصل کرنے کی آرزو ودیعت کر رکھی ہے۔ اس لئے بھی نہیں کہ فی زمانہ سائنس طاقت ہے اور مادی خوشحالی اور بامقصد دفاع کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ بلکہ اس لئے کہ سائنس ہمیں تقلید سے اجتہاد کی طرف لے جاتی ہے۔ قوم اور نسل کے فرق سے نکالتی ہے۔ اور رواداری کا سبق دیتی ہے۔ اس رواداری کو U. Thant نے ان لفظوں میں کیا ہے:۔

I as a Buddhist have learned one thing from my religion to be tolerant of everything but of intolerance.

اور ٹیکنالوجی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ٹیکنالوجی میں Consensus ضروری ہے۔ جو قومیں ٹیکنالوجی میں آگے ہیں۔ مثلاً جاپان، تائیوان، ہانگ کانگ، سنگاپور وغیرہ یہ سب لوگ Consensus کے قائل ہیں۔

آخر میں اس لئے بھی کہ عالمی برادری کے، ایک عزت نفس رکھنے والے رکن ملک کی حیثیت سے پاکستان کو کماحقہ عہدہ برا ہونا چاہئے۔ عالمی سائنس کے تحقیقی و تخلیقی ذخائر سے ہم دیر سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ ہم پر دوسروں کا قرضہ ہے جو ہمیں بے باق کرنا ہے۔ ہمیں اس خاموش توہین تازیانوں سے بچنا ہو گا جو علم تخلیق کرنے والوں کی طرف سے ہم پر پڑتے رہتے ہیں۔ ایک یوروپی ملک کے ایک نوبل انعام یافتہ طبیعات دان کی ایک بات ہمہ وقت مرے دل کو کچوکے دیتی رہتی ہے۔ چند سال پہلے اس نے اچانک مجھ پر ایک سوال لاد دیا۔

سلام! کیا آپ کے خیال میں یہ واقعی ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان اقوام کی دستگیری کرتے رہیں ان کو مالی امداد دیتے رہیں۔ انہیں خوراک فراہم کرتے رہیں ان کو زندہ رہنے میں بروقت مدد دیتے رہیں۔ جنہوں نے انسانی علمی ذخیرے میں ایک ذرہ کا بھی اضافہ نہیں کیا۔

اس نے مجھ سے یہ سوال نہ کیا ہوتا تب بھی میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہتا ہے۔ جب بھی میں کسی اسپتال میں داخل ہوتا ہوں تو سوچتا رہ جاتا ہوں کہ آج کی زندگی بچانے والی تمام دوائیں دوسروں نے بنائی ہیں اور پاکستان کے سائنس داں کا ان کی ساخت و تشکیل میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس تناظر میں میں نے بھارت، بنگلہ دیش اور ملائشیا کے علمائے کرام سے حال ہی میں سوال کیا تھا جب قرآن مجید کا تقریباً آٹھویں حصہ میں اہل ایمان کو قدرت کا مطالعہ کرنے، غور و فکر کرنے، عقل سے کام لینے اور حکمت و تدبر والی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے تو کیا آپ اپنے آٹھ خطبات جمعہ میں سے ایک خطبہ سائنس کے بارے میں دیتے ہیں؟ سب نے مجھے ایک ہی جواب دیا۔

"ہم چاہتے تو ہیں لیکن ہم خود سائنس نہیں جانتے تو خطبہ کیا دیں گے۔"

قرآن میں سائنس کے حوالے سے مجھے ایک عیسائی مصنف ہسٹن اسمتھ کی خوبصورت رائے یاد آگئی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔ وہ لکھتا ہے۔

"ایک ایسے عہد میں جب دنیا پر فوق الفطرت کا رنگ چڑھا ہوا تھا جب کرامتوں اور معجزوں کو معمولی سے معمولی صوفی سینٹ کا حق سمجھا جاتا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انسانی کمزوری اور ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ فال، شگون، بشارت، اشارہ غیبی، کرامات اور معجزوں کے شوقین بت پرستوں کیلئے آپ نے یہ کہہ کر معاملے کو بالکل صاف اور سیدھا کر دیا

"اللہ نے مجھے معجزے دکھانے کیلئے نہیں بھیجا ہے۔ اس نے مجھے نیکی کی ہدایت اور صداقت کی تبلیغ کیلئے بھیجا ہے۔ سب تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں۔ کیا میں آدمی سے زیادہ کچھ ہوں جسے رسول کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے؟"

اپنی پوری زندگی میں، شروع سے آخر تک آپ نے اپنی ذات کو آگے لانے کی ہر خواہش اور ہر تحریک کی مزاحمت کی۔ آپ نے فرمایا۔

میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اللہ کے خزانے مرے ہاتھ میں ہیں یا یہ کہ میں علم غیب رکھتا ہوں یا یہ کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

اگر معجزوں ہی کی طرف دیکھنا ہے تو یہ محمدؐ کی بڑائی نہیں اللہ کی بڑائی ہے۔ اور اللہ کی بڑائی کو دیکھنے کیلئے آنکھوں کا کھلا رکھنا ضروری ہے۔ آسمان کی پہنائی میں اجرام فلکی کا اپنے لگے بندھے ہموار راستوں پر چپ چاپ چلتے رہنا' کائنات کا حیرت انگیز اور ناقابل یقین حسن ترتیب' بارش جو مٹی کی پیاس بجھانے کو برستی ہے' درخت جن کی شاخیں سنہرے پھولوں سے لدی رہتی ہیں' جہاز جو انسان کے فائدے کی چیزوں کا بوجھ اٹھائے سمندروں کے سینے پر تیرتے رہتے ہیں کیا یہ سب کسی پتھر کے خدا کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں؟ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے کسی اور کرامت کی خواہش کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ فوق الفطرت اور ضعیف الاعتقادی کے عہد میں محمدؐ نے دنیا کے مسلمات کا احترام کرنا سکھایا' جس نے مسلمانوں کو عیسائیوں سے بہت پہلے سائنس کی طرف مائل و بیدار کیا۔ محمدؐ نے صرف ایک معجزے کا دعویٰ کیا اور وہ معجزہ خود قرآن ہے۔"

ہسٹن اسمتھ کی رائے کا اقتباس پیش کرنے کے بعد ایک سوال میں بھی پیش کرتا ہوں۔

"کیا وقت نہیں آگیا ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں جدید سائنس کے غیر متنازعہ فیہ حصوں کو شامل کر لیا جائے؟ مثلاً نیوٹن کے قوانین' ستاروں اور کہکشاؤں کی فلکی طبیعات قدرت کی بنیادی قوتوں کا علم' جینٹک کوڈ اور زمین کی ساخت وغیرہ۔"

آخری بات کے طور پر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہماری قوم اپنی صلاحیت و امکان کے اعتبار سے ایک عظیم قوم ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی عظمت کا احساس نہیں ہے اور ہم ایک چھوٹی قوم کے سے انداز میں عمل کرتے ہیں۔ ہمارے لوگ سائنسی علوم میں اعلیٰ درجے کی قدرتی صلاحیت رکھتے ہیں۔ صرف اس کو ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ میں یہ بات پورے وثوق سے زندگی بھر کے طویل تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں جو مجھے مختلف اقوام کے سائنس دانوں کی تربیت اور رہنمائی کرنے کے بعد حاصل ہوا ہے۔

اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ٹیکنالوجی کے باب میں بھی ہم زبردست صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ جاپان کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ انہوں نے اپنی مہارت کا اخلاق جو انہیں فن کتابت سے ورثے میں ملی تھی آج ٹیکنالوجی پر کیا ہے۔ کیا ایسی قوم جو قرآن مجید کی پوری آیت چاول کے دانے پر لکھ سکتی ہے۔ جب وہ مائکرو الیکٹرونکس کے میدان میں اترے گی تو کیا وہ جاپان جیسی ترقی حاصل نہیں کر سکتی؟

جب میں بچہ تھا تو یہ بات عام طور پر سننے میں آتی تھی کہ ہندوستان کے مسلمان حساب میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ آج صورت حال بدل چکی ہے۔ آج مشرق وسطی کا بنک کاری کا تمام انتظام پاکستانی چلا رہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے پاکستانی بھائی فرانسیسیوں کی طرح انفرادیت پسند ہوتے ہیں اور ہمیشہ سے اپنی ذات کی تشہیر اور بڑائی ان کے لئے مہمیز کا کام دیتی رہی ہے۔ لیکن ایک دانا حکومت اپنی پالیسی اس ترکیب سے بنا سکتی ہے کہ اس قدرتی انفرادیت پسندی کو کچلنے کی بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ یاد رہے جب پاکستانی ملک سے باہر ہوتے ہیں۔ تو انفرادیت پسندی کا لبادہ اتار پھینکتے ہیں اور مل جل کر اور ایک دوسرے کے تعاون سے کام کرنے کی شہرت پاتے ہیں۔ قوم کے کردار میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت و افادیت جتلانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ سب جانتے ہیں کہ سائنس آدمی میں کیا کیا اوصاف، حمیدہ پیدا کرتی ہے۔ تدبر، تحمل، عمل پر افتخار' باریک بینی' روشن خیالی اور سب سے زیادہ رواداری اور دوسروں کی رائے کے احترام کی خاصیت۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ کوشش کرنے والوں کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم ایک دفعہ اپنی نوجوان نسل کو آتش شوق کا فتیلہ دکھانے میں کامیاب ہو گئے تو سائنسی تخلیق کا سلسلہ پھر کبھی نہیں رکے گا۔ جمال عبدالناصر کی طرح میں بھی اپنے نوجوانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں۔

اپنا سر بلند کرو میرے بھائی' فخر و افتخار سے' عزت نفس سے" (اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا أَخِي)

آخر میں وطن عزیز سے مخاطب ہوتے ہوئے میں فیض کے یہ اشعار پیش کروں گا۔

کبھی کچھ ہے تیرا دیا ہوا' کبھی راحتیں' کبھی کلفتیں
کبھی صحبتیں کبھی فرقتیں' کبھی دوریاں' کبھی قربتیں
یہ سخن جو ہم نے رقم کئے' یہ ہیں سب ورق تری یاد کے
کوئی لمحہ صبح وصال کا کئی شام ہجر کی مدتیں

شعرائے احمدیت

مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری

حالات زندگی

محمد صدیق نام ہے مگر اپنے ضلع امرتسر کی نسبت سے تعارف کے طور پر امرتسری کہلاتے ہیں۔ ان کی پیدائش موضع "بھڈیار" تحصیل اٹاری ضلع امرتسر میں ۱۵ جون ۱۹۱۵ء کو ہوئی مگر چھ سات سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ مستقل طور پر امرتسر چلے گئے۔ ۱۹۲۲ء میں ان کے دادا جان میاں گلاب دین صاحب نے ان کی دینی تعلیم کیلئے انکو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک رفیق حکیم جان محمد صاحب کے سپرد کر دیا جو ان کے مکان کے قریب ہی حکمت اور عطاری کی دوکان کرتے تھے۔ انہوں نے بڑی توجہ سے ان کی دینی تربیت کی۔ ان کو ناظرہ قرآن پڑھایا' نماز اور کتابت وغیرہ بھی سکھائی۔ ان کے والد صاحب میاں نور محمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفیق تھے۔ دس سال کی عمر میں انہوں نے کٹڑہ کنھیاں امرتسر کے ایک پرائمری سکول کی تیسری کلاس میں داخلہ لے لیا۔ جہاں سے ۱۹۲۷ء میں فراغت کے بعد ان کے والد انہیں قادیان لے گئے اور مدرسہ احمدیہ میں داخل کرا دیا۔ قادیان میں پہلے بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں اور بعد میں ہوسٹل جامعہ احمدیہ میں قریباً ۹ سال مقیم رہے اور سال بسال کامیاب ہو کر ۱۹۳۶ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لیا۔

(.....یادیں مصنفہ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری صفحہ ۱۴۳)

اساتذہ

(میر انجم پرویز صاحب)

دوران تعلیم انہیں جن بزرگوں سے شرف تلمذ حاصل ہوا ان میں سے اکثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفیق تھے۔ جو اپنی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے جماعت بھر میں نمایاں تھے اور حقیقی معنوں میں طالب علموں کے مربی و محسن اور نہایت بلند اخلاق کے اور اعلیٰ علمی قابلیت کے مالک تھے۔ ان میں حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب' حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل حلالپوری' حضرت میر محمد اسحاق صاحب' حضرت ماسٹر عبد الرحمان صاحب بی اے' حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب جٹ' حضرت مولانا غلام نبی صاحب مصری' حضرت مولانا ارجمند خان صاحب' حضرت مولانا تاج الدین صاحب فاضل' مکرم جناب ماسٹر غلام حیدر صاحب اور مکرم چوہدری عبد الواحد صاحب شامل ہیں۔

شعر و ادب سے دلچسپی

مولانا محمد صدیق صاحب کو شعر و ادب سے دلچسپی کیسے ہوئی اس کیلئے ہم یہاں ان کی کتاب سے ایک حوالہ نقل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

"مجھے ادب اور شعر و شاعری سے کیسے دلچسپی پیدا ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب میں قادیان میں مدرسہ احمدیہ کی چھٹی جماعت کا طالبعلم تھا تو ایک روز میں بورڈنگ کی عمارت کے پچھلی طرف ڈھاب کے کنارے کھڑا تھا کہ حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے بہشتی مقبرہ کی سمت جاتے مجھے بالوں سے پکڑ کر اپنے ساتھ کر لیا اور چلتے

چلتے میرا نام اور خاندانی حالات دریافت کرتے رہے۔ وہاں سے واپسی پر کہنے لگے پنڈت لیکھرام کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو لکھ کر لاؤ۔ چنانچہ میری وہ ٹوٹی پھوٹی تحریر انہوں نے بعد تصحیح ریویو آف ریلیجنز اردو یا مصباح جن کے وہ ایڈیٹر تھے میں شائع کردی۔"

اس طرح ان کے نثر لکھنے کا آغاز ہوا۔ شعر و شاعری کا ذوق ان میں کس طرح پیدا ہوا اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں۔

"۱۹۳۲ء میں ایک روز جب میں حضرت قاضی صاحب کے دفتر کے آگے سے گزر رہا تھا تو انہوں نے مجھے بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اپنے اشعار کا مجموعہ "نغمہ اکمل" مجھے مطالعہ کیلئے دیا۔ دفتر میں لکڑی کے جس تخت پر وہ بیٹھا کرتے تھے اس کی پچھلی دیوار پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک بڑے سائز کی تصویر آویزاں تھی اس میں حضور علیہ السلام کی نیم وا آنکھیں اور نورانی چہرہ مجھے اس قدر اچھا لگا کہ بار بار دیکھنے سے طبیعت سیر نہ ہوئی اور میں اس تصور کو دیکھتا ہی چلا گیا اور اس تصویر کے نیچے غالباً قاضی صاحب ہی کا ایک شعر کچھ اس طرح لکھا ہوا تھا۔

یہ لب کھلیں تو تڑپ جائیں سینکڑوں نغمے
یہ آنکھ اٹھے تو چھلک جائے کیف میخانہ

میں نے تصویر دیکھتے ہوئے یہ شعر بار بار پڑھا تو حضرت قاضی صاحب نے فرمایا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں شعروں سے بہت دلچسپی ہے"

میں نے عرض کیا ہاں۔ ہے تو سہی۔ "کہنے لگے کچھ شعر لکھ کر لاؤ۔ میں بعد درستی شائع کردوں گا۔ چنانچہ میں نے لیکھرام پر ہی ایک نظم کہی جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

مرا کیوں لیکھرام اتنا بھلا کس کو نہیں معلوم
ہوئے مرعوب جس کی موت سے سب حاکم و محکوم

اور مکرم حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی مرحوم سے اصلاح کروا کر حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کردی جو بعد میں انہوں نے "مصباح" میں شائع فرمادی۔ اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے وقتاً فوقتاً شعر کہنے شروع کر دیئے۔ جن میں سے بعض شائع بھی ہوتے رہے۔

سخن گوئی میں تعطل اور دوبارہ میلان

ایک دو سال کے بعد ایک کہنہ مشق شاعر طالب دہلوی صاحب قادیان آئے۔ جنہیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ناظر تالیف و اشاعت نے شاہنامہ احمدیہ لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ ان سے میری راہ و رسم بڑھی تو میں نے اپنی پچیس تیس غزلوں اور چند نظموں پر مشتمل ایک نوٹ بک بغرض اصلاح انہیں پیش کی لیکن چند روز بعد معلوم ہوا کہ وہ بغیر اطلاع دیئے قادیان سے کہیں چلے گئے ہیں اور پھر کبھی ان کا حال معلوم نہ ہو سکا اور نہ میری نوٹ بک کا۔ اپنے مجموعہ کلام کے اس طرح ضائع ہو جانے کے صدمے سے میری طبیعت ایک عرصہ تک شعر کہنے کی طرف مائل نہ ہوئی لیکن چونکہ میرے قلب و ذہن میں شعر گوئی کا میلان موجود تھا جو میں سمجھتا ہوں مجھے اپنے والد ماجد سے ورثہ میں ملا تھا اس لئے ۱۹۶۲ء میں جب یہ عاجز تبلیغ دین کے سلسلے میں ملائشیا بھیجا گیا تو مجھے اپنے عزیزوں کی جدائی معمول سے کچھ زیادہ محسوس ہونے لگی جس کے نتیجے میں طبیعت پھر شعر و سخن کی طرف مائل ہو گئی۔" اس کے بعد مولانا محمد صدیق صاحب نے علاوہ نجی قسم کے اشعار کے مذہبی اور جماعتی نوعیت کے ہزاروں شعر کہے جو مختلف اخبارات و رسائل سلسلہ میں چھپتے رہے۔

سلسلہ کی خدمات

۱۹۳۶ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد انہیں ادارہ الفضل میں ایک نائب کے طور پر لگا دیا گیا۔ ۶ مئی ۱۹۳۷ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر قادیان سے فلسطین کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں انہوں نے احمدیہ سکول کے انچارج کے طور پر خدمت کا آغاز کیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۰ء تک نائب امام بیت الفضل لندن کے فرائض ادا کرتے رہے۔ وہاں سے ۲۶ فروری ۱۹۴۰ء کو سیرالیون کیلئے تبدیل ہو گئے۔ ۱۹۵۷ء میں حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے۔ حج کے بعد روضہ نبوی کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ بھی گئے۔ سیرالیون سے ۱۹۵۹ء میں تبدیل ہو کر لائبیریا چلے گئے۔ ۱۹۶۰ء

میں پاکستان واپس آئے۔ ۱۹۶۲ء تک کچھ عرصہ جامعہ احمدیہ میں پڑھایا اور کچھ عرصہ دفتر تبشیر میں کام کیا۔ مئی ۱۹۶۲ء میں سنگاپور احمدیہ مشن چلے گئے۔ جہاں قریباً پونے پانچ سال رہ کر ۱۹۶۶ء میں پاکستان آئے۔ چند سال پاکستان میں رہ کر مختلف خدمات انجام دیتے رہے۔ آخر ۱۹۷۰ء میں مبلغ کے طور پر جزائر فجی چلے گئے۔ وہاں سے ۱۹۷۳ء میں پاکستان آکر ربوہ میں نظارت تصنیف و اشاعت اور بعض دیگر اداروں میں کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بطور مربی جماعت احمدیہ پشاور اور لاہور میں خدمت کا موقع ملا۔ ۱۹۷۸ء میں آپ کو کمزوری صحت کے باعث ریٹائر کر دیا گیا۔

وفات

۱۹۷۸ء میں جب ان کی صحت کمزور ہو گئی تو وہ کچھ علمی یادگاروں کی طرف مائل ہوئے اس دوران انہوں نے "روح پرور یادیں" "نغمات صدیق" اور "دل کی دنیا" جیسی کتابیں مرتب کیں اور جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں ایک وقیع اضافہ کیا۔ آخر کار کامیاب زندگی گزار کر شعری دنیا کا یہ ستارہ میں افق کے پار غروب ہو گیا۔

شاعری پر تبصرہ

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری کی شاعری بڑی دلکش اور پر حکمت ہے ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے (منصب خلافت پر فائز ہونے سے پہلے۔مدیر) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"برادرم مکرم مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری بھی شعراء کی اس خوش بخت اقلیت میں شامل ہیں جن کی دل پسند وادیاں ذکر الٰہی اور ذکر رسول ﷺ کی خوشبو سے مہک رہی ہیں اور جہاں بادہ و ساغر کے بغیر تو ہر بات بن جاتی ہے مگر اللہ اور رسول ﷺ کے ذکر کے بغیر کوئی بات نہیں بنتی۔....... پر خلوص سچے عشق میں ڈوبی ہوئی حمد' (دینی) تعلیم کے مختلف پہلوؤں کا دلنشین ذکر' یاد رفتگاں' سلوک کی راہوں میں سود و زیاں کے اثرات ایک سالک کے دل پر (دین) کے غلبہ نو کیلئے شاہراہ ترقی پر مجاہدین کا سفر اور بچوں اور جوانوں سے خطابات اور انہیں ان کے اعلیٰ مقاصد یاد دلانا اور ان میں اپنے بلند مقام کا شعور پیدا کرنا اور اس قسم کے موضوعات پر آپ کو نہایت پر تاثیر نظمیں مولانا موصوف کے کلام میں ملیں گی۔"

(تعارف کتاب "دل کی دنیا" مصنفہ مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری (از حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

ثاقب زیروی صاحب کا تبصرہ

ان کے اشعار میں دین حق سے سچی وارفتگی کی رعنائی ہے ان کا نقطہ مثبت اور تعمیری ہے اور ان کا کلام تزکیہ نفس کا پیغام لاریب مادہ پرستی و پرکاری' خود غرضی اور انتقام و نفس پرستی کے اس دور پر آشوب ان کا پاکیزہ شعری شعور' ان کا سنبھلا ہوا انداز محبت اور رواں دواں سلیقہ اظہار و بیان غنیمت ہی نہیں بسا غنیمت ہے۔

قاضی محمد نذیر صاحب کا تبصرہ

محترم قاضی محمد نذیر صاحب نے مولوی محمد صدیق صاحب کے مجموعہ کلام "نغمات صدیق" کے پیش لفظ میں مولانا موصوف کی شاعری پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے۔

ان کا کلام جاذب اور دلکش ہے اور کلام میں روانی سلاست' سادگی اور آسان پسندی نے اسے جماعت کے ہر طبقہ میں مقبول بنا دیا ہے۔ مضامین اکثر تو تربیتی اور اخلاقی ہیں اور احمدیت کی روح سے معمور ہیں اردو کلام کے علاوہ ان کا عربی کلام بھی اپنی ذات میں گراں مایہ ہے۔

نمونہ کلام

اب نمونے کے طور پر مولانا صاحب کے مجموعہ کلام میں سے چند شعر قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے
بڑا مہرباں اور بڑا با وفا ہے
مثال اس کی نوروں کی مشکوہ ہے اک
جہاں ایک مصباح رکھا ہوا ہے
وہ مصباح ہے اک زجاجہ کے اندر
زجاجہ سراپا ضیا ہی ضیا ہے
درخشندہ کوکب کوئی شے کو جیسے
جہاں کی ہر اک شے کو چمکا رہا ہے

☆◉

سردار سب رسولوں کے اے مصطفیٰ ہیں آپ
لاریب نور و رحمت رب الوریٰ ہیں آپ
حسن ازل کے پر تو کامل ہیں بالیقین
شمس الضحیٰ ہیں رونق ارض و سما ہیں آپ
محبوب حق، شفیع امم، خاتم الرسل
سلطان کائنات ہیں، ظل ہما ہیں آپ

☆◉

ہے تیرے دیں کیلئے وقف زندگی میری
مرے حبیب مری جاں وفا شعار ہوں میں
نہ خوف نار سقر ہے نہ طمع خلد بریں
فقط رضا کیلئے تیری بے قرار ہوں میں

☆◉

دعا جب ہمسفر نہیں ہوتی
کوئی منزل بھی سر نہیں ہوتی
دل سے نکلی ہوئی خدا کے حضور
التجا بے اثر نہیں ہوتی
ذکر مولیٰ میں جو گھڑی گذرے
وہ کبھی بے ثمر نہیں ہوتی
درد و دکھ میں کوئی دوا صدیق
جز دعا کارگر نہیں ہوتی

☆◉

کامل نہ سہی عشق اپنا مگر اس دلبر جانی کی خاطر
جب جان کی بازی لگتی ہے ہم جان بھی ہارا کرتے ہیں

☆◉

ہم احمدی ہیں ہمیں کام کی ضرورت ہے
نمود و نام نہ آرام کی ضرورت ہے
ہم احمدی ہیں ہمیں خدمت بشر کیلئے
عمل کی، ہمت و اقدام کی ضرورت ہے
ہم احمدی ہیں ہمیں جس طرح بھی ممکن ہو
جہاں میں غلبہ ...... کی ضرورت ہے
ہم احمدی ہیں غلامان سرور کونین
ہمیں تو خدمت ...... کی ضرورت ہے

☆◉

چوٹ جب دل پہ لگی ہو تو غزل کہتا ہوں
غم کی ناوک فگنی ہو تو غزل کہتا ہوں
کنج خلوت ہو دل افسردہ و پژمردہ ہو
یا کوئی خاص خوشی ہو تو غزل کہتا ہوں
سوز فرقت سے سینے میں بپا اک طوفاں
ہلکی ہلکی سی جھڑی ہو تو غزل کہتا ہوں
الغرض شاعری پیشہ نہیں اپنا صدیق
سخت مجبوری کوئی ہو تو غزل کہتا ہوں

پاکستان بھر میں مثالی وقار عمل

بتاریخ 14 دسمبر 1997ء بروز اتوار

مرتب کردہ:۔ مکرم انتصار احمد صاحب نذر
مہتمم وقار عمل خدام الاحمدیہ پاکستان

رپورٹ کے اہم نکات

⦿ ضلع حیدر آباد کی مجالس سے سب سے زیادہ خوشکن رپورٹس موصول ہوئیں۔

⦿ مرکز کی ہدایت پر راستوں اور گزر گاہوں کو ہموار درست اور گزرنے کے قابل بنانے کے سلسلے میں خصوصی خدمت کی توفیق ملی اس کے علاوہ قبرستانوں میں قبروں کی درستگی اور اس کی صفائی کی گئی۔

⦿ ٹاؤن شپ لاہور، دار الفضل، کنری اور کرونڈی کی مجالس نے وقار عمل کی تصاویر بھی بھجوائیں۔

⦿ کرونڈی کے ایک طفل کو وقار عمل کے دوران سر پر چوٹ آئی مرہم پٹی کے بعد طفل دوبارہ وقار عمل کی جگہ پر پہنچ گیا۔

⦿ ملیر کینٹ کراچی کے خدام نے سڑکوں پر جھاڑو دیا اور بیت الحمد کے ساتھ پختہ فٹ پاتھ تعمیر کیا۔

⦿ ایک مجلس میں خدام کو وقار عمل میں مصروف دیکھ کر ایک غیراز جماعت دوست کا تبصرہ "ہمارے حصہ کا ثواب یہ لڑکے لے گئے ہیں"

⦿ بشیر آباد کے وقار عمل میں مکرم مہتمم صاحب اصلاح و ارشاد خدام الاحمدیہ پاکستان کی شرکت۔

⦿ ضلع حافظ آباد، لاہور، گوجرانوالہ، بہاولنگر، اوکاڑہ اور منڈی بہاؤالدین میں ضلعی سطح پر وقار عمل ہوئے۔

⦿ ۱۴ دسمبر ۱۹۹۷ء کو مرکزی پروگرام کی تعمیل میں تاحال ۱۰۸ مجالس کی طرف سے وقار عمل کی خوشکن رپورٹس کی وصولی۔

ملیر کینٹ کراچی

مرکزی پروگرام کے مطابق اس مجلس کے خدام نے گلشن جامی کی مرکزی سڑک اور اس سے ملحقہ سڑکوں کی جھاڑو کی مدد سے صفائی کی اور جہاں جہاں گڑھے پڑ چکے تھے اور پانی جمع رہتا تھا ان گڑھوں کی مٹی سے بھرائی کی گئی اسکے علاوہ بیت الحمد کے ساتھ ۳۰ فٹ لمبا اور ۴ فٹ چوڑا پختہ فٹ پاتھ تعمیر کیا گیا اس وقار عمل میں ۶۴ خدام ۴۵ اطفال ۳ انصار اور ۴ غیراز جماعت دوستوں نے حصہ لیا وقار عمل تین گھنٹے جاری رہا۔

چک سکندر ضلع گجرات

چک سکندر میں ۴۷ خدام نے تین گھنٹے کام کرکے احمدیہ قبرستان کو جانے والے راستے کو ٹریکٹر وغیرہ کی مدد سے ہموار اور درست کیا گیا۔

ریلو کے ضلع سیالکوٹ

۲۸ خدام اور ۱۵ اطفال نے ایک ٹوٹی پھوٹی سڑک پر ۴ ٹرالیاں مٹی ڈال کر اسے گزرنے کے قابل بنایا یہ وقار عمل ۴ گھنٹے جاری رہا۔

دارالزکر لاہور

مجلس دارالزکر لاہور کے ۳۸ خدام اور ۶ اطفال نے مسلسل ساڑھے تین گھنٹے کام کرکے دارالزکر کے مختلف حصوں، مین ہال، دفتر خدام الاحمدیہ اور دیگر کمروں کی صفائی کی مین ہال کے فرش کو دھویا گیا اس طرح دیواروں ستونوں پنکھوں اور ٹیوب لائٹس وغیرہ کی صفائی کی گئی۔

فیکٹری ایریا ضلع حیدر آباد

اس مجلس کے ۱۷ خدام نے اڑھائی گھنٹے کام کرکے ایک گلی کو صاف کیا راستے سے پتھر اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو ہٹایا گیا خدام کو کام کرتے ہوئے دیکھ کر ایک غیر از جماعت دوست نے کہا۔
"ہمارے حصہ کا ثواب یہ لڑکے لے گئے ہیں"

مبارک آباد ضلع حیدر آباد

۳۱ خدام اور ۲۳ اطفال نے تین گھنٹے میں ایک سکول کو جانے والے راستہ کے اردگرد اگی ہوئی جھاڑیاں صاف کیں نیز ایک پلی کی مرمت بھی کی جس سے لوگوں کیلئے سہولت پیدا ہو گئی۔

بشیر آباد ضلع حیدر آباد

بشیر آباد کے ۶۰ خدام اور ۶ غیر از جماعت افراد نے قبرستان میں وقار عمل کیا۔ مکرم خلیل احمد تنویر صاحب مہتمم اصلاح وارشاد خدام الاحمدیہ پاکستان اس مجلس کے دورہ پر تھے اس لئے آپ بھی اس وقار عمل میں شامل ہوئے۔

سیٹلائیٹ ٹاؤن میرپور خاص

مجلس کے ایک حلقے پھنور کالونی میں ۱۵۰ میٹر لمبی ایک گزرگاہ اور راستے میں مٹی کی بھرائی کرکے لوگوں کیلئے سہولت پیدا کی گئی۔ اس بستی میں رہنے والے تقریباً ڈیڑھ ہزار لوگوں کو اس سے فائدہ ہوگا۔

مونگ ضلع منڈی بہاؤالدین

مونگ کے ۱۱ خدام اور ۱۳ اطفال نے کوٹلی افغاناں جاکر بیت الذکر کو جانے والے کچے راستے پر مٹی ڈالی جہاں بارش کی وجہ سے جانے میں بہت دقت ہوتی تھی۔

حیدر آباد شہر

خدام نے احمدیہ ہال کی دونوں منزلوں کی صفائی کی اور احمدیہ ہال کو دھویا گیا اسی طرح ایک گلی سے کچرا اٹھا کر کوڑادان میں پھینکا گیا۔

گوندل فارم کوٹری

گوندل فارم کے قبرستان میں ۴۸ خدام نے ساڑھے تین گھنٹے کام کرکے اسے گھاس وغیرہ سے صاف کیا۔

بستی رنداں ضلع ڈیرہ غازیخان

اس مجلس میں وقار عمل میں ۲۵ خدام اور ۴۰ اطفال شامل ہوئے۔ اس دوران بستی کی گلیوں اور نالیوں کی صفائی کی گئی بیت الذکر اور مربی ہاؤس کو بھی صاف کیا گیا۔

۹ چک پنیار بھلوال ضلع سرگودھا

۹ چک پنیار اور بھلوال کا مشترکہ وقار عمل کوٹ مومن روڈ پر ہوا۔ بھلوال کے ۱۶ اور ۹ چک شمالی پنیار کے ۹ خدام نے اس سڑک پر موجود گڑھے پر کئے اور لوگوں کی آمد و رفت کیلئے سہولت پیدا کی۔

دارالفضل کنری

۲۵ خدام اور ۴۲ اطفال نے تین گھنٹے کام کر کے عمر کوٹ روڈ کے ایک کلومیٹر حصے کو ہموار اور درست کرنے کیلئے وقار عمل کیا۔ اس مجلس نے وقار عمل کی تصویریں کھینچ کر مرکز بھجوائی ہیں۔

لطیف آباد حیدر آباد

۴۱ خدام اور ۱۶ اطفال نے بیت الذکر اور اس کے ماحول کی صفائی کے کام میں حصہ لیا۔

کرونڈی ضلع خیرپور

۸ خدام اور ۸ اطفال نے ایک خستہ حال سڑک کو ہموار کیا اس کام کا غیراز جماعت لوگوں میں بھی اچھا تاثر قائم ہوا۔ مجلس نے وقار عمل کی تصاویر بھی بھجوائی ہیں۔

سول لائن ڈیرہ غازیخان شہر

ڈیرہ غازیخان شہر کے ۱۶ خدام اور ۲۴ اطفال اور سول لائن کے ۹ خدام اور ۹ اطفال نے دو گھنٹے احمدیہ قبرستان کی صفائی اور قبروں پر مٹی ڈالی نیز پودوں کی دیکھ بھال کے سلسلے میں بھی کام کیا گیا۔

لاڑکانہ

۶ خدام اور ۷ اطفال نے باہر سے مٹی لا کر ایک کچی گلی کو ہموار اور درست کیا۔

۲۷۵ ر ب کرتار پور فیصل آباد

۷ اخدام اور ۱۲ اطفال نے بیت الذکر اور اس سے ملحقہ بازار کی صفائی کی۔

نصرت آباد ضلع میرپور خاص

احمدیہ قبرستان میں وقار عمل کے ذریعہ قبروں کی دیکھ بھال کا کام کیا گیا۔ ۱۹ خدام اور ۱۸ اطفال شامل ہوئے۔

ماڈل کالونی کراچی

بیت الشاء کے گرد ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کی درستگی کا کام کیا گیا نیز خدام نے بیت الذکر کے سامنے والی گلی صاف کی اس کام میں ۴۸ خدام اور ۳۴ اطفال نے حصہ لیا۔

ٹنڈو محمد خان

خدام نے ۸۰ فٹ لمبی گلی کو پتھر اور مٹی ڈال کر ہموار کیا نیز ایک نالے پر پائپ لگا کر گزرنے کیلئے پلی بنائی گئی۔

کریم نگر فیصل آباد

۲۸ خدام اور ۱۵ اطفال نے احمدیہ قبرستان گوکھووال جا کر قبروں پر مٹی ڈالی نیز پانی کے راستوں کو صاف کیا گیا۔

بھوڑو چک ضلع شیخوپورہ

خدام نے مربی ہاؤس کی نالی بنائی بازار میں سات ٹرالیاں مٹی ڈالی گئی صبح ۹ بجے سے سہ پہر ۳ بجے تک ۴۵ خدام اور ۲۰ اطفال نے کام کیا۔

لدھڑ کرم سنگھ ضلع نارووال

اس گاؤں میں راستہ خراب تھا ہر وقت پانی کھڑے رہنے کی وجہ سے پیدل گزرنا بھی مشکل تھا خدام نے چھ گھنٹے وقار عمل کر کے راستے کو ہموار کرنے کیلئے ۷ ٹرالیاں اور ۸ ریڑھے مٹی ڈالی۔ اس کام میں ۳۰ خدام اور ۲۰ اطفال شامل ہوئے۔

۱۹۴ ر ب لاٹھیانوالہ ضلع فیصل آباد

لاٹھیانوالہ کی بیت الذکر کے ساتھ دونوں بازاروں کی صفائی کی گئی بازار میں چلنے والوں اور مسافروں کے فائدہ اور سہولت کیلئے راستے کو درست اور ہموار کیا گیا۔

دارالرحمت کنری ضلع عمر کوٹ

خدام نے قبرستان میں وقار عمل کر کے ۵۰ قبروں پر مٹی ڈالی قبرستان کے گرد کانٹوں کی باڑ لگائی ۴۲ خدام ۱۹ اطفال نے اس کام میں حصہ لیا۔

ڈرگ روڈ کراچی

اڑھائی گھنٹے کام کر کے ۴۵ خدام اور ۲۰ اطفال نے بیت المبارک اور اس کی چھت کی صفائی کی بیت المبارک کی طرف آنے والے راستوں کے گڑھوں کو بھرا گیا راستوں کو جھاڑیوں سے صاف کیا گیا۔

مصطفیٰ فارم ضلع عمر کوٹ

نزدیکی مجلس محمود آباد جا کر خدام نے پکی سڑک کے دونوں طرف ٹریکٹر اور ٹرالی سے مٹی لا کر تقریباً ایک کلومیٹر لمبی جگہ پر مٹی ڈالی اور اس طرح سڑک کی سائیڈوں کو مضبوط بنایا گیا۔ ۲۴ خدام اور ۱۹ اطفال نے اڑھائی گھنٹے کام کیا۔

ٹاؤن شپ لاہور

بلاک لیول پر ٹاؤن شپ میں بیت الکریم کے سامنے ڈیڑھ کلومیٹر لمبی سڑک پر موجود گڑھے پر کئے گئے۔ شدید دھند کے باوجود ۵۰ خدام نے تین گھنٹے کام کیا اس کام کا وہاں سے گزرنے والوں پر بھی اثر ہوا۔ اس کے علاوہ چار حلقہ جات میں الگ الگ بھی وقار عمل ہوئے جن میں ۲۰ خدام شامل ہوئے۔

النور کراچی

بیت الذکر کی صفائی اور دھلائی کے علاوہ اس سے ملحق میدان کی جھاڑیاں صاف کی گئیں۔ ۵۲ خدام اور ۲۸ اطفال نے دو گھنٹے وقار عمل کیا۔

وحدت کالونی لاہور

علامہ اقبال ٹاؤن کی مین سڑک کے گڑھے پر کئے گئے جو ٹریفک کیلئے پریشانی کا باعث بنتے تھے۔ پانی کا چھڑکاؤ کرنے کے علاوہ سڑک کے کنارے پودے بھی لگائے گئے۔ غیر از جماعت احباب نے بھی اس موقع پر تعاون پیش کیا دو گھروں نے چھڑکاؤ کیلئے پانی فراہم کیا۔

بیت السلام ملتان

خدام نے بیت الذکر کے تینوں ہالوں کی مکمل صفائی کی کل ۱۶ خدام اس کام میں شریک ہوئے۔

سٹیل ٹاؤن کراچی

۲۰ خدام اور ۱۰ اطفال نے باغ احمد رزاق آباد کی طرف جانے والی سڑک کے اردگرد لگی ہوئی جھاڑیوں کی صفائی کی اور سڑک سے پتھر ہٹائے۔

نفیس نگر ضلع میرپور خاص

اس مجلس کے ۲۵ خدام اور ۱۹ اطفال نے ایک ایسی سڑک کو ہموار اور درست کیا جس پر پہلے گزرنے میں مشکل تھی۔ خدام نے تین گھنٹے کام کر کے آدھ کلو میٹر سڑک کی مرمت کی۔

محمد آباد ضلع عمرکوٹ

۲۱ دسمبر کو محمد آباد کے ۴۲ خدام اور ۳۲ اطفال نے چار گھنٹے کام کر کے جلسہ گاہ کی تیاری میں حصہ لیا جھاڑیاں کاٹیں راستوں کی صفائی کی پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا ایک واٹر کورس پر پلی بنائی گئی۔

بکھو بھٹی ضلع سیالکوٹ

گاؤں کی بیت الذکر کی صفائی کے علاوہ صحن کے ساتھ جگہ ہموار کر کے اسے کشادہ کیا گیا۔ ساتھ والے گاؤں دریا پور کی بیت الذکر کی سفیدی کی گئی ۱۷ خدام نے اس کام میں حصہ لیا۔

داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ

۳۵ خدام اور ۱۰ اطفال نے وقار عمل کر کے گاؤں سے باہر جانے والی سڑک کے دونوں طرف مٹی ڈال کر گڑھے پر کیے یہ کام اڑھائی گھنٹے میں مکمل ہوا۔

کھرپہ ضلع سیالکوٹ

یہاں ۱۴ خدام اور ۱۵ اطفال نے تین کلو میٹر لمبے راستے کو لوگوں کی سہولت کی خاطر ہموار اور درست کیا یہ راستہ کئی جگہ سے خراب تھا۔

ربوہ

ربوہ میں ۱۲ دسمبر ۱۹۹۷ء کو جمعہ کے روز وقار عمل کا پروگرام طے کیا گیا تھا لیکن حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی نماز جنازہ کے موقع پر ڈیوٹیوں کی وجہ سے وقار عمل نہیں ہو سکا۔ لہٰذا اس کے متبادل ۱۹ اور ۲۶ دسمبر کو ۵۰ محلہ جات میں وقار عمل ہوا۔ ۱۳۸۱ خدام اور ۴۹۲ اطفال نے بیوت الذکر، سڑکوں، گلیوں اور نالیوں کی صفائی کے کام میں حصہ لیا نیز کئی جگہ اگی ہوئی خودرو جھاڑیاں تلف کی گئیں۔

ضلعی سطح پر ہونے والے مثالی وقار عمل

ضلع حافظ آباد

ضلع حافظ آباد میں ۲۱ دسمبر کو مدینہ شوگر مل کے قریب گاؤں بھون خورد میں وقار عمل کیا گیا۔ مانگٹ اونچا اور دوسرے قریبی گاؤں جانے کیلئے جو راستہ اختیار کیا جاتا ہے اس راستے پر جگہ جگہ گڑھے

پڑے ہوئے تھے خاص طور پر ایک سیم نالہ کے پل کے ساتھ بھی ایک گڑھا تھا جس کی وجہ سے ٹانگوں، ریڑھوں کا اس پل پر چڑھنا بہت مشکل تھا اس خراب راستے کی وجہ سے لوگ مشکل میں تھے۔ چنانچہ اس غرض کیلئے خدام نے ۳ ٹریکٹر ٹرالیوں کی مدد سے ۷ ٹرالیاں مٹی ان گڑھوں کو پر کرنے کیلئے ڈالیں۔ ۸ مجالس کے ۹۵ خدام اس وقار عمل میں شامل ہوئے۔ اس کام کا لوگوں نے بہت اچھا اثر لیا۔

ضلع لاہور

لاہور میں چھ بلاکس میں علیحدہ علیحدہ وقار عمل ہوئے۔ بلاک نمبرا میں ۵ مجالس کے ۲۲۰ خدام اور ۴۰ اطفال۔ بلاک نمبر۲ میں ۴ مجالس کے ۱۴۳ خدام اور ۲۵ اطفال۔ بلاک نمبر۳ میں ۵ مجالس کے ۱۱۵ خدام اور ۳۰ اطفال۔ بلاک نمبر۴ میں ۳ مجالس کے ۱۶۵ خدام اور ۳۰ اطفال، بلاک نمبر۵ میں ۴ مجالس کے ۱۰۱ خدام اور ۳۵ اطفال اور بلاک نمبر۶ میں ۴ مجالس کے ۹۰ خدام اور ۳۰ اطفال شامل ہوئے۔

ضلع گوجرانوالہ

اس ضلع میں دو جگہوں پر وقار عمل ہوئے گوجرانوالہ شہر کی تین مجالس نے جلسہ سالانہ کیلئے جلسہ گاہ کی تیاری کے کام میں حصہ لیا۔ ۵۰ خدام نے میدان کو گھاس پھوس اور فالتو جھاڑیوں سے صاف کیا۔ درختوں اور جھاڑیوں کو کاٹ کر ایندھن بنایا گیا۔ اس کام میں ۵ گھنٹے صرف ہوئے۔ دوسرا وقار عمل قیام پور ورکاں میں ہوا جس میں ۴ مجالس کے ۳۴ خدام و اطفال نے مربی ہاؤس کی بھرتی ڈالنے اور چھت ڈالنے کے کام میں حصہ لیا۔

ضلع بہاولنگر

۴ حلقہ جات میں ہونے والے وقار عملوں میں ۱۴ مجالس کے ۶۳ خدام شامل ہوئے۔ حلقہ ڈاہرانوالہ میں پختہ سڑک کے کناروں پر مٹی ڈالی گئی اردگرد سے ۷۰ افراد بھی اس کام میں شامل ہوئے۔

ضلع اوکاڑہ

اس ضلع کی ۶ مجالس کے ۵۰ خدام نے تین گھنٹے کام کر کے مقامی قبرستان میں سولنگ لگائی اور خودرو جڑی بوٹیوں کو تلف کیا گیا۔

ضلع منڈی بہاؤالدین

۵ مجالس پر مشتمل ایک حلقے کا وقار عمل بیت الحمد کوٹلی افغاناں میں ہوا۔ بیت الحمد کے راستے کو صحیح کر کے ایک سولنگ سے ملایا گیا اس میں پانچوں مجالس کے ۲۰ خدام اور ۸ اطفال نے شرکت کی۔

ضلع کراچی

کراچی کی ۱۱ مجالس میں اس روز وقار عمل ہوئے جن میں مجموعی طور پر ۴۸۷ خدام، ۲۲۶ اطفال اور ۲۳ انصار شامل ہوئے۔

مقابلہ بین العلاقہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

حسن کارکردگی کی بناء پر مقابلہ بین العلاقہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان ۷۶-۱۳۷۵ ہش / ۹۷-۱۹۹۶ء میں

اول :- قیادت مجلس خدام الاحمدیہ علاقہ لاہور

دوم :- " " " گوجرانوالہ

سوم :- " " " حیدرآباد

چہارم :- " " " سرگودھا

پنجم :- " " " فیصل آباد

ششم :- " " " راولپنڈی

ہفتم :- " " " سکھر

ہشتم :- " " " سندھ

نہم :- " " " بلوچستان

دہم :- " " " ملتان

قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ اعزاز ان کے لئے مبارک فرمائے۔ آمین

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

مقابلہ بین المجالس خلافت جوبلی علمِ انعامی سال ۷۶-۱۳۷۵ ہش / ۹۷-۱۹۹۶ء

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

حسن کارکردگی کی بناء پر مقابلہ خلافت جوبلی علمِ انعامی بین المجالس مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان سال ۷۶-۱۳۷۵ ہش / ۹۷-۱۹۹۶ء میں درج ذیل مجالس نے اعزاز حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ اعزاز ان کے لئے مبارک فرمائے۔ آمین

اوّل :- مجلس خدام الاحمدیہ علامہ اقبال ٹاؤن ضلع لاہور اور خلافت جوبلی علمِ انعامی کی حقدار قرار پائی۔

دوم :- مجلس خدام الاحمدیہ محمود آباد کراچی اور سندِ خوشنودی کی حقدار قرار پائی۔

سوم :- مجلس خدام الاحمدیہ النور کراچی اور سندِ خوشنودی کی حقدار قرار پائی۔

چہارم :- مجلس خدام الاحمدیہ وحدت کالونی ضلع لاہور

پنجم :- مجلس خدام الاحمدیہ مارٹن روڈ کراچی

ششم :- مجلس خدام الاحمدیہ فیکٹری ایریا شاہدرہ ضلع لاہور

ہفتم :- مجلس خدام الاحمدیہ دارالنور ضلع فیصل آباد

ہشتم :- مجلس خدام الاحمدیہ قائدآباد کوئٹہ

نہم :- مجلس خدام الاحمدیہ ہڈیارہ - لاہور

دہم :- مجلس خدام الاحمدیہ راجگڑھ لاہور

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

اشاعت کمیٹی مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان سال ۷۷-۱۳۷۶ہش / ۹۸-۱۹۹۷ء

(دائیں سے بائیں بیٹھے ہوئے) مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر (مہتمم اشاعت و سیکرٹری اشاعت کمیٹی)، محترم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس، محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف نائب صدر مجلس و صدر کمیٹی۔

(دائیں سے بائیں کھڑے) مکرم سیّد مبشر احمد صاحب ایاز مدیر خالد، مکرم فخر الحق صاحب شمس، مکرم مبارک احمد صاحب خالد مینیجر و پبلشر رسالہ خالد و تشحیذ الاذہان، مکرم نصیر احمد صاحب انجم مدیر اعلیٰ تشحیذ الاذہان، مکرم سلیم الدین صاحب۔

کارکنان شعبہ اشاعت محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے ہمراہ

دائیں سے بائیں (بیٹھے ہوئے) مکرم مبارک احمد صاحب خالد، مکرم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس، مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر مہتمم اشاعت۔
دائیں سے بائیں (کھڑے) مکرم لطیف احمد صاحب، مکرم انور احمد تبسم صاحب، مکرم قمر احمد صاحب محمود، مکرم عبد القیوم صاحب۔

Monthly Khalid Rabwah

February 1998 Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz Regd. No. CPL-139

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے پروگرام کے مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۹۷ء کو مثالی وقارِ عمل کے ۲ مناظر

مجلس خدام الاحمدیہ ٹاؤن شپ لاہور کے خدام مصروفِ عمل ہیں